ملّتِ اِسلامیّہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

محدّث

لاہور پاکستان

403 | مارچ 2026ء / رمضان المبارک 1447ھ

مُدیر اعلیٰ

حافظ ڈاکٹر عبدالرحمن مدنی

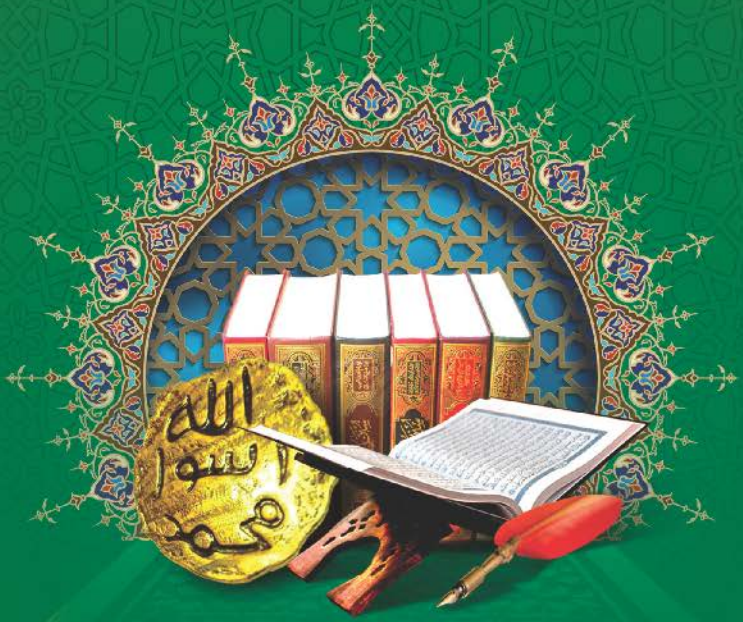

مجلس التحقیق الاسلامی

اعلان داخلہ
Session Fall 2026

جامعۃ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)

کے شعبہ المعهد العالي للعلوم الاجتماعية

لاہور انسٹیٹوٹ فار سوشل سائنسز
Lahore Institute For Social Sciences

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے الحاق شدہ

بیاد
علامہ حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ
علامہ حافظ محمد حسین روپڑی رحمہ اللہ

زیر سرپرستی
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
ڈاکٹر حافظ حسین ازہر مدنی

درس نظامی + 4 سالہ بی ایس اسلامک سٹڈیز

ریگولر کلاسز (برائے طلباء وطالبات)

اہلیت: FSC, ICS, FA یا کسی بھی وفاق سے ثانویہ خاصہ کیا ہو۔

عالیہ/بی اے کی سند کے حاملین کے لیے ڈائریکٹ 5th سمسٹر میں داخلہ جاری ہے۔

مدارس سلفیہ میں درس نظامی + وفاق المدارس اور ریگولر بی ایس اسلامک سٹڈیز کروانے والا پہلا ادارہ۔

اس وقت ادارہ میں بی ایس اسلامک اسٹڈیز کے 263 طلبہ وطالبات اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں۔

خصوصیات

- تعلیم کے ساتھ بہترین تربیت تاکہ علم کے ساتھ کردار بھی سنورے
- درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ جدید عصری تعلیم کا حسین امتزاج
- بی ایس کی ڈگری جو تعلیمی وپیشہ ورانہ زندگی میں معاون ثابت ہو
- عربی زبان میں مہارت کے لیے خصوصی توجہ
- قرآن وحدیث کا گہرا فہم اور فقہی بصیرت
- آرام دہ پُرسکون تعلیمی ماحول
- وسیع وعریض شاندار بلڈنگ

برائے رابطہ
0321-2637163
0304-4328010

ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی
پرنسپل
لاہور انسٹیٹوٹ فار سوشل سائنسز

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

محدث

لاہور پاکستان

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد 57 | مارچ 2026ء / رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ | عدد 02

مجلس مشاورت
• مولانا ارشاد الحق اثری • حافظ عبدالستار حماد • مولانا محمد شفیق مدنی • ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
• ڈاکٹر حافظ محمد زبیر • ڈاکٹر حافظ طاہر اسلام • ڈاکٹر جواد حیدر • ڈاکٹر آصف جاوید

فہرست مضامین

اداریہ	اجڑتے گھر اور ڈومیسٹک وائلنس ایکٹ ۲۰۲۶ء	ڈاکٹر جواد حیدر	4
اصلاح معاشرہ	طلاقوں کی بڑھتی ہوئی شرح	فضیلۃ الشیخ حافظ محمد شریف	17
محدث فتاویٰ	زکوٰۃ سے طلبہ کے لیے دینی کتب خریدنا	محدث فتاویٰ کونسل	21
منہجِ سلف	منہجِ سلف کے راہنما اصول	امام کعبہ عبدالرحمن سدیس	30
احکام و مسائل	تراویح میں ختم قرآن اور دعا	ڈاکٹر طاہر اسلام عسکری	38
تحقیق و تنقید	مولانا اصلاحی کے فکری تضادات ④	پروفیسر محمد رفیق	42
تحقیق و تنقید	غامدی صاحب کے اصول تفسیر ①	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	51
تبصرہ کتب	سیکولرزم: اسباب و آثار	ڈاکٹر فہد اللہ مراد	73
تبصرہ کتب	اللہ ہے نا	ڈاکٹر طاہر اسلام عسکری	76
احوال الجامعہ	سالانہ تقریبات جامعہ لاہور الاسلامیہ	قاری محمد ظہیر ادریس	80
وفیات	آہ! مولانا فضل الرحیم اشرفی رحمہ اللہ	ڈاکٹر حافظ ابو عمرو	97

مدیر معاون
عبدالرحمن عزیز
0308-4131740

مینیجر
محمد اصغر
0305-4600861

زرسالانہ = /1200 روپے
فی شمارہ = /200 روپے

بیرون ملک
زرسالانہ = /30 ڈالر
فی شمارہ = /5 ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے، ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

اجڑتے گھر اور ڈومیسٹک وائلنس ایکٹ ۲۰۲۶ء

اسلام کا تصورِ حقوق العباد، مغربی ہیومن رائٹس کے تصور سے یکسر مختلف ہے۔ حقوق العباد کی اساس 'وحی'، جبکہ ہیومن رائٹس کی بنیاد 'انسانی عقل'، بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے 'انسانی خواہش' پر اٹھائی گئی ہے۔ عبد خدائے یکتا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، اس کے برعکس ہیومن خود مختار اور علی الاطلاق آزاد ہوتا ہے۔ پاکستانی معاشرہ اس وقت اپنی اسلامی اساس اور مغربی یلغار کے مابین کھیل کا میدان بن چکا ہے۔ اسلامی حدود تحریری طور پر موجود ہیں، لیکن عملاً یکسر معطل۔ عدالتوں کی پیشانیوں پر "ان اللہ یامر بالعدل" تحریر ہے، لیکن عملاً اسلام کا نظام عدل مکمل طور پر مفلوج۔ ان حالات میں اسلام کا خاندانی نظام بلاشبہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا یہ حسین پہلو سیکولرز، لبرلز اور ملحد طبقے کو ایک آنکھ نہیں بھاتا اور مغربی یلغار کے زیرِ اثر کمزور سے کمزور تر ہوتا جارہا ہے۔ اس پر مستزاد ایسے قوانین تشکیل دیے جارہے ہیں، جنہیں بالبداہت رد کرنا تو شاید ممکن نہیں، لیکن ماہرینِ عمرانیات انہیں پاکستانی معاشرے کی اسلامی ساکھ اور خاندانی نظام کے لیے زہرِ قاتل قرار دے رہے ہیں۔

ہمارا خاندانی نظام باہمی ہمدردی، خیر خواہی، وفاداری اور باہمی محبت جیسی مضبوط اساس لیے ہوئے ہے۔ جس کا بنیادی اصول تیسیر (آسانی فراہم کرنا)، عدم حرج (تنگی دور کرنا)، قلتِ تکلیف اور نقصان سے تحفظ ہے۔ اسلام کا دیا گیا خاندانی نظام محض قانونی معاہدہ نہیں بلکہ ایک مضبوط مقدس سماجی اکائی ہے، جس کی بنیاد تقویٰ ہے۔ قرآنِ کریم میں رشتہ داریوں کے احترام اور ان سے متعلق اللہ وتعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ [النساء: ۱]

"اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتوں (کو کاٹنے) سے بچو"۔

گویا ہمارے خاندانی نظام کی بنا اور بقا تقویٰ ہے۔

اسی طرح نکاح اور خاندانی زندگی کا اصل مقصد باہمی محبت ومودت کے ذریعے ایک دوسرے کو سکون اور راحت فراہم کرنا ہے۔

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ [الروم: ۲۱]

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی"۔

یہ "محبت اور رحمت" وہ بنیاد ہے جو خاندان کو کسی بھی تشدد یا بد سلوکی سے دور رکھتی ہے۔ مزید یہ کہ اسلام نے خاندان کے ہر فرد کے حقوق اور فرائض متعین کر دیے ہیں تاکہ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ [البقرة: ۲۲۸]

"اور ان عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حقوق ہیں بھلے طریقے کے ساتھ، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے"۔

میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے لباس قرار دے کر انتہائی بلیغ تمثیل ذکر کی گئی ہے۔

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

"وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس کی حیثیت رکھتے ہو"۔

لباس کا کام پردہ پوشی، حفاظت، زینت اور سکون مہیا کرنا ہے، اسی طرح اسلامی خاندانی نظام میں میاں بیوی ایک دوسرے کے رازوں کے امین، کمزوریوں کے محافظ اور ایک دوسرے کی شخصیت کے لیے باعثِ سکون و زینت ہوتے ہیں۔ لہٰذا میاں بیوی کو بھی چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو ذہنی اذیت، نفسیاتی بد سلوکی اور ہر طرح کی بد اخلاقی سے محفوظ رکھیں۔ پس جو شریکِ حیات ایک دوسرے کے لیے "لباس" بن جاتے ہیں، وہاں خوف اور بے اعتمادی کی جگہ صبر، شکر اور دائمی سکون لے لیتا ہے۔

گھر ایک ادارہ ہے جو ایک سسٹم کے تحت چلتا ہے اور سسٹم کے لیے ضروری ہے کہ ایک سربراہ ہو اور باقی اس کی اطاعت کریں، لہٰذا گھر کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لیے خالق کائنات نے مرد کو سربراہ بنایا ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ [النساء: ۳۴]

مرد عورتوں پر ذمہ دار اور منتظم ہیں۔

لیکن مردوں کو مطلق العنان نہیں چھوڑا بلکہ انہیں عورتوں سے بہتر طرزِ زندگی اختیار کرنے کا حکم دیا:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [النساء: ۱۹]

"اور ان عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو"۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي[1].

"تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہے، اور میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم میں سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں"۔

ایک موقع پر جب رسول اکرم ﷺ سفر میں تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیویاں بھی تھیں۔ ایک غلام انجشہ نے اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے حدی (اشعار پڑھنے) شروع کی تو اونٹ بھاگنے لگے، تو آپ ﷺ نے عورتوں کے نازک مزاج ہونے کی وجہ سے انہیں شیشوں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

«رويدك يا أنجشة، لا تكسر القوارير»[2]

"انجشہ! آہستہ چلاؤ، ان آبگینوں کو توڑ نہ دینا (یعنی اونٹوں کو دوڑانے سے عورتوں کو نقصان نہ ہو)"۔

اسلام کے خاندانی نظام میں ہی نہیں، بلکہ بالعموم معاشرت کا ایک اصول یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اپنے سے چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں کی توقیر کی جائے۔

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا[3].

"وہ ہم میں سے ہیں جو چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں پہچانتا"۔

یہ حکم جہاں انسان کی انا گی کے سامنے بند باندھتا ہے وہاں کبر و نخوت کی نفسیات کا بھی شافی علاج ہے۔

چونکہ "ظلم" کی کوئی صنف نہیں ہوتی؛ ظالم ظالم اور مظلوم مظلوم ہوتا ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اسلامی خاندانی نظام کی مضبوطی اس بات میں ہے کہ وہ طاقتور کو ظلم سے روکتا اور کمزور کو سہارا دیتا ہے۔ ناحق اذیت رسانی پر کچھ یوں وعید سنائی گئی ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾[الاحزاب: ۵۸]

"اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی گناہ کے ستاتے ہیں تو انہوں نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھالیا ہے"۔

---

۱ سنن الترمذی: ۳۸۹۵

۲ صحیح البخاری: ۶۲۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۲۳

۳ سنن الترمذی: ۱۹۲۰

اسلامی تعلیمات جہاں جسمانی اذیت سے ممانعت کی تلقین کرتی ہیں، وہاں ذہنی ونفسیاتی اور ہر طرح کی قولی وزبانی تکلیف سے بھی روکتی ہیں، بلکہ مسلمان کی تو تعریف ہی یہ کی گئی ہے:

الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ[1].

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں"۔

سورۃ الحجرات میں ہر طرح کی تذلیل کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ یہ تذلیل تمسخر کی صورت میں ہو یا لعنت و ملامت کی شکل میں، برے القابات کی صورت میں ہو یا طعنہ زنی کی شکل میں، غیبت کی صورت میں ہو یا بہتان، ٹوہ میں رہنا ہو یا جاسوسی کرنا، منہ پر ہو یا عدم موجودگی میں ہر اعتبار سے کسی کو اذیت دینا جائز نہیں۔ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [الحجرات: ۱۱]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ کوئی عورتیں دوسری عورتوں سے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ اپنے لوگوں پر عیب لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں کے ساتھ پکارو، ایمان کے بعد فاسق ہونا برا نام ہے اور جس نے توبہ نہ کی سو وہی اصل ظالم ہیں"۔

تکریم انسانیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ انسان ہر طرح کے جسمانی، ذہنی، جنسی اور مالی تشدد سے محفوظ رہے۔ یوں تو انسانی حقوق کی پامالی پر سزائیں قوانین میں درج ہیں، لیکن گھریلو سطح پر انہیں بطورِ خاص انسداد و تحفظ برائے گھریلو تشدد ایکٹ، ۲۰۲۶ء "Domestic Violence (Prevention and Protection) Act, ۲۰۲۶" کی صورت میں نافذ کیا گیا ہے۔ جو کہ اب پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد ۲۷۔ جنوری ۲۰۲۶ء کو صدر پاکستان کے دستخطوں کے ساتھ قانون کا باقاعدہ حصہ بن چکا ہے۔ یہ قانون اگرچہ فی الوقت وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے لیے ہے، لیکن پورے ملک میں اس کا نفاذ کچھ دور محسوس نہیں ہوتا۔ اس قانون کے مطابق گھریلو تشدد کی بعض شکلوں کو جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس سے قبل ۱۳-۲۰۱۲ء اور پھر ۲۱-۲۰۲۰ء میں بھی اس نوعیت کے قوانین آچکے ہیں۔ ان میں کیا ارتقا ہوا ہے، اس پر الگ سے ایک

---

۱ صحیح البخاری: ۱۰، صحیح مسلم: ۴۱

مضمون کی ضرورت ہے، فی الوقت حالیہ پاس ہونے والے ایکٹ پر مختصر تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

قانون کا دائرہ کار اور اس کی ہمہ گیریت

اس قانون کے مطابق گھریلو زندگی میں کسی بھی شخص کے حقوق متاثر ہوں تو وہ اس قانون سے مستفید ہو سکے گا، چاہے وہ عورت ہو یا مرد، بچہ ہو یا بزرگ یا کوئی بھی دوسرا شخص۔ شق ۲(i) میں مذکور ہے:

"متاثرہ شخص سے مراد کوئی بھی خاتون، مرد، ٹرانس جینڈر، بچہ، کمزور شخص، یا کوئی بھی دوسرا فرد بشمول معذور یا بزرگ شخص ہے، جو مدعا علیہ کے ساتھ گھریلو تعلق میں ہے یا رہا ہے اور جو الزام لگاتا ہے کہ اسے مدعا علیہ کی طرف سے گھریلو تشدد کے کسی عمل کا نشانہ بنایا گیا ہے"۔

اس سے اس پروپیگنڈے کی نفی بہر حال ہو جاتی ہے، جس میں اس قانون کو صرف خواتین تک محدود کہا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قانون کسی ایک صنف تک محدود نہیں ہے۔ مزید برآں شق ۲(xxii) کے تحت کمزور شخص کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

"کمزور شخص (Vulnerable Person) سے مراد وہ شخص ہے جو بڑھاپے، ذہنی یا جسمانی بیماری، سیکھنے کی (learning)، نفسیاتی و سماجی یا کسی دوسری معذوری، یا کسی اور خاص وجہ سے کمزور ہو۔"

گویا بعض حلقوں کی طرف سے یہ تاثر دیا جانا خلافِ حقیقت ہے کہ اس قانون میں صرف خواتین کو نوازنے کی کوشش کی گئی ہے۔

گھریلو تشدد (Domestic Violence) کا مفہوم

ایکٹ کے مطابق "گھریلو تشدد" کی تعریف میں ایسے جرائم آتے ہیں جو گھر میں آباد کسی بھی شخص کے لیے خوف یا جسمانی و نفسیاتی نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ جرائم پاکستان کے دیگر قوانین میں مذکور جرائم کے علاوہ ہوں۔ شق ۳ میں بیان ہوا ہے:

"گھریلو تشدد سے مراد جسمانی، نفسیاتی اور جنسی بدسلوکی (abuse) کے وہ تمام افعال ہوں گے، سوائے ان جرائم کے جو پاکستان پینل کوڈ یا کسی اور قانون کے تحت بیان کیے گئے ہیں، جو مدعا علیہ کی طرف سے خواتین، مردوں، ٹرانس جینڈرز، بچوں، کمزور افراد یا کسی بھی ایسے شخص کے خلاف کیے جائیں جس کے ساتھ مدعا علیہ کا گھریلو تعلق ہے یا رہا ہے اور جو متاثرہ شخص کے لیے خوف، جسمانی یا نفسیاتی نقصان کا باعث بنیں۔"

شق ۳(c) میں "نفسیاتی اور زبانی بد سلوکی" کی مزید وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے:

"نفسیاتی اور زبانی بد سلوکی وہ ہے جہاں متاثرہ فرد تسلسل کے ساتھ مدعا علیہ کے تذلیل آمیز یا توہین آمیز رویے سے دوچار ہو اور اس میں شامل ہے (مگر ان تک محدود نہیں): (i) جنونی حسد (jealousy) کا بار بار اظہار جس سے متاثرہ شخص کی پرائیویسی، آزادی، سالمیت اور سیکیورٹی میں بار بار مداخلت ہو؛ (ii) متاثرہ شخص کی توہین یا تضحیک کرنا؛ (iii) شریک حیات یا مشترکہ گھرانے کے دیگر افراد کو جسمانی تکلیف پہنچانے کی دھمکیاں دینا؛ (iv) پاگل پن یا بانجھ پن کے بے بنیاد الزام پر طلاق یا دوسری شادی کی دھمکیاں دینا؛ (v) مشترکہ گھرانے کی کسی خاتون رکن یا کسی بھی رکن کے کردار پر جھوٹا الزام لگانا؛ (vi) متاثرہ شخص کو جان بوجھ کر یا غفلت سے چھوڑ دینا (abandonment)؛ (vii) پیچھا کرنا (Stalking)؛ (viii) ہراساں کرنا؛ اور (ix) بیوی کو شوہر کے علاوہ کسی اور کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا۔

شق ۳(d) میں جنسی بد سلوکی کی وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے:

"جنسی بد سلوکی" میں جنسی نوعیت کا کوئی بھی ایسا رویہ شامل ہے جو کمزور شخص یا کسی بھی دوسرے شخص کے وقار کو مجروح کرے، تذلیل کرے، رتبہ گھٹائے یا کسی اور طریقے سے پامال کرے۔

وضاحت II: اس سیکشن کے تحت مدعی علیہ کے کسی فعل، کوتاہی، ارتکاب یا رویہ کو "گھریلو تشدد" قرار دینے کے لیے کیس کے مجموعی حقائق اور حالات کو مدنظر رکھا جائے گا۔

جسمانی تشدد اور علیحدگی اختیار کرنا

ڈومیسٹک وائلنس ایکٹ میں ہر طرح کے تشدد پر سزا تجویز کی گئی ہے، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ "نشوز" کی صورت میں خاوند کا بیوی کو نصیحت کرنا، نہ ماننے کی صورت میں عارضی طور پر چھوڑنا اور پھر بھی نہ ماننے کی صورت میں مارنے کا حق تو خود قرآن مجید نے دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴾ [النساء: ٣٤]

"اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ اور انہیں مارو، پس اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو بے شک اللہ بلند بڑا ہے"۔

گھر بھی ایک طرح کا ادارہ ہے جس کا سربراہ مرد ہوتا ہے اور عورت کو بہر صورت اس کی اطاعت، فرمانبرداری اور وفاداری کرنا ہے۔ اور نافرمانی کی صورت میں عورت کو سمجھانے کے لئے سب سے پہلے وعظ ونصیحت کی جانی چاہیے۔ اس کے بعد بھی اگر نشوز، باغیانہ رویہ یا نافرمانی موجود رہے تو اس سے وقتی اور عارضی علیحدگی اختیار کی جاسکتی ہے جو کہ باشعور عورت کے لئے بہت بڑی نصیحت ہوتی ہے۔ اس سے بھی نہ سمجھے تو ہلکی سی مار کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ وحشیانہ نہ ہو جیسا کہ جاہل لوگوں کا طریقہ ہے۔ اگر وہ اصلاح کرلے تو پھر راستہ تلاش نہ کرو یعنی مار پیٹ نہ کرو تنگ نہ کرو، یا طلاق نہ دو، گویا طلاق کا مرحلہ تب شروع ہوتا ہے جب کوئی اور چارہ کار باقی نہ رہے۔

تسلسل کے ساتھ ایذا رسانی: قانون میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ بدسلوکی کو ایک آدھ بار کی بدسلوکی نہیں، بلکہ تسلسل کے ساتھ ذہنی وزبانی اذیت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔

بار بار حاسدانہ اور توہین آمیز طرزِ عمل کا اظہار: ایسا حاسدانہ اور توہین آمیز رویہ جس سے انسان ذہنی اذیت میں مبتلا ہو جائے اور اس سے متاثرہ شخص کی پرائیویسی، آزادی، سالمیت اور سیکیورٹی میں بار بار مداخلت ہو۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اس کا تعین کیسے ہوگا کہ جس شخص پر حاسدانہ طرزِ عمل کا الزام لگایا جارہا ہے، آیا وہ واقعی یہ طرزِ عمل حسد یا توہین کی بنا پر اختیار کررہا ہے یا اصلاح کے لیے؟ اگر ایک گھر میں رہنے والے افراد میں باپ اولاد کی منفی سرگرمیوں پر روک لگاتا ہے یا شوہر بیوی کی مشکوک سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہے تو اس کا تعین کس طرح ہوگا کہ وہ مجرمانہ رویہ رکھتا ہے یا مصلحانہ؟ اگر اس کا رویہ مصلحانہ بھی ہو تو منفی سرگرمیوں پر اولاد اور بیوی اسے پرائیویسی اور آزادی میں مداخلت قرار نہیں دے گی؟ اس اعتبار سے کیا باپ، خاوند، گھر کے سربراہ یا گھر کے کسی بھی مصلح شخص کے پاس اصلاح کا حق باقی رہے گا یا نہیں؟ وہ جب جب گھر میں قائم دیوثیت سے روکے گا اس پر بآسانی ڈومیسٹک وائیلنس کا مقدمہ قائم نہیں کیا جاسکے گا؟

ان سوالوں کا ممکنہ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ شق نمبر ۳ کی وضاحت نمبر ۲ میں درج ہے کہ "اس بات کا تعین کرنے کے لیے کہ آیا مدعا علیہ کا کوئی فعل، کوتاہی، ارتکاب یا رویہ اس سیکشن کے تحت 'گھریلو تشدد' بنتا ہے، کیس کے مجموعی حقائق اور حالات (Over all facts and circumstances) کو مدنظر رکھا جائے گا"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت صرف ایک واقعے یا باپ یا شوہر کی طرف سے دی جانے والی ایک نصیحت کو بنیاد نہیں بنائے گی، بلکہ یہ دیکھے گی کہ کیا یہ رویہ واقعی اصلاح کے لیے ہے یا اس کا مقصد تذلیل کرنا اور ذہنی اذیت دینا ہے۔ اور یہ کہ قانون میں لفظ "Abuse" استعمال ہوا ہے، جو کہ اصلاح اور خیر خواہی سے یکسر

مختلف ہے۔ اصلاح کا مقصد بہتری لانا اور خاندان کو برائی سے بچانا ہوتا ہے۔ اس میں لہجہ ناصحانہ اور مقصد شخصیت کی تعمیر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بدسلوکی کا مقصد تذلیل، تحقیر اور دوسرے کی عزتِ نفس کو کچلنا ہوتا ہے۔ اگر باپ یا شوہر اپنی اولاد یا گھر والی کو کسی بری عادت سے روکتا ہے تو وہ اس کا قانونی اور شرعی حق ہے، لیکن اگر وہ اس بہانے اسے مستقل گالیاں دیتا ہے یا نفسیاتی مریض بنا دیتا ہے، تو وہ بدسلوکی کے زمرے میں آسکتا ہے، لیکن باپ، شوہر یا گھر کے سربراہ کے خلاف تھانے کچہری اور عدالتوں کا رخ کرنا فی نفسہ ایک بڑا سوالیہ نشان ہے، کیونکہ چھوٹے موٹے گھریلو مسائل گھر اور خاندان کی سطح پر ہی حل ہونے چاہئیں۔ ان مسائل کو تھانے کچہری لے جانے سے مسائل مزید گھمبیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ قانون میں جنونی حسد (Obsessive jealousy) کا ذکر ہے۔ جنونی حسد وہ ہے جو بلاوجہ شک کی بنیاد پر ہو اور جس کا مقصد محض دوسرے کو اذیت دینا ہو۔ اگر شوہر یا باپ کے پاس اپنی نگرانی کے لیے معقول وجوہات موجود ہوں، تو اسے قانوناً "حاسدانہ طرزِ عمل" ثابت کرنا ممکن نہ ہوگا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تعین کیسے ہوگا؟، تو عدالت کو یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا "متاثرہ شخص" اس قانون کو اپنی من مانی آزادی حاصل کرنے کے لیے بطور ڈھال تو استعمال نہیں کر رہا۔ نیز محض الزام کافی نہیں، بلکہ مدعی پر یہ لازم ہوگا کہ وہ ثابت کرے کہ مدعاعلیہ کا رویہ واقعی تذلیل آمیز تھا۔

بلاشبہ یہ معاملہ عدالت کے سامنے پیش ہونے اور وہاں ثابت کیے جانے سے متعلق ہے، لیکن اس سے پہلے محض شکایت کی بنیاد پر پولیس جو کارروائی کرے گی اور اس کے نتیجے میں ایک شریف انسان کی جو تذلیل ہوگی، اس سے مدعاعلیہ کو تحفظ کیسے حاصل ہوگا؟ اس لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کی ہدایات کی روشنی میں گھریلو معاملات کو براہِ راست قانون کی گرفت میں لانے سے پہلے خاندان کے معزز افراد اور مذہبی ماہرین پر مشتمل ایک ثالثی (Mediation) کمیٹی قائم کی جائے، جو مدعاعلیہ کے "مصلحانہ" اور "مجرمانہ" رویے کے درمیان واضح فرق کر سکے۔ بہرصورت یہ سب کچھ اتنا سادہ نہیں، کیونکہ گھریلو مسائل عموماً تھانے، کچہری اور عدالتوں میں جا کر حل ہونے کے بجائے مزید بگڑ جاتے ہیں۔

طلاق یا دوسری شادی کی دھمکیاں اور ہراساں کرنا

اسلام میں کسی بھی مسلمان کو خوفزدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا.[1]

"کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو خوفزدہ کرے"۔

اگر منفی بات کی اصلاح مقصود ہو تو اس کے لیے نرمی، پیار، محبت اور خاندان یا دیگر مصلح افراد کو درمیان میں ڈال کر مسئلے کو سلجھانے کی کوشش ہونی چاہیے۔ ویسے بھی دھمکی حسنِ معاشرت کے منافی ہے۔ گھر کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے دھمکی آمیز لہجہ کسی صورت قرینِ مصلحت نہیں۔ مزید برآں بانجھ پن یا پاگل پن جیسے الزامات یا کسی سطح پر حقیقت بھی ہو تو بھی اس پر طعنہ دینا یا طلاق یا یا دوسری شادی کی دھمکی دینا انتہائی بداخلاقی ہے۔ اگرچہ طلاق اور دوسری شادی شرعاً جائز ہیں، لیکن انہیں کسی کو ذہنی اذیت دینے، بلیک میل کرنے یا ذلیل کرنے کے لیے بطور "ہتھیار" استعمال کرنا انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے۔

لزام لگانا

اسلام میں کسی کی شخصیت پر جھوٹا الزام لگانا گناہِ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾ [النور: ٤]

"جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انھیں اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ یہ فاسق لوگ ہیں"۔

اگر کوئی خاوند اپنی بیوی پر الزام لگاتا ہے تو اس کے لیے لعان کی صورت رکھی گئی ہے جس میں وہ پانچ قسمیں کھا کر اپنا مقدمہ ثابت کر سکے گا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے برائی ہوتے دیکھی ہے۔ اس کے قسمیں اٹھانے سے عورت پر حد واجب ہو جائے گی الا یہ کہ وہ بھی پانچ قسموں کے ساتھ دعوے کا رد کر دے۔ اس کی مزید تفصیل سورۃ النور آیات ۶ تا ۱۰ دیکھی جا سکتی ہے۔

پیچھا کرنا Stalking

ایکٹ میں موجود اس اصطلاح کا مطلب تعاقب کرنا، مسلسل پیچھا کرنا، اس کے راستے میں کھڑے ہونا اور ہراساں کرنے کی حد تک اس کے گرد چکر کاٹنا وغیرہ شامل ہے۔ اسے محض گھورنے تک محدود خیال کرنا

---

۱ سنن ابی داود: ۵۰۰۴

درست نہیں۔ ہاں البتہ گھورنا مسلسل ہو اور ہراسگی کی حد تک ہو تو وہ بھی کسی صورت Stalking میں آجائے گا۔ اسلام میں بدگمانی اور بے جا تجسس کی ممانعت پہلے سے موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا ﴾

[الحجرات:۱۲]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت سے گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں اور جاسوسی بھی نہ کرو"۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا.[1]

"بدگمانی سے بچتے رہو، بدگمانی بڑی ہی جھوٹی بات ہے اور کسی کے عیوب ڈھونڈنے کے پیچھے نہ پڑو، کسی کی جاسوسی مت کرو اور کسی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ بڑھاؤ اور حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو، بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو"۔

اہل تقویٰ اور نیک لوگوں کے متعلق بدگمانی اور ان کی جاسوسی کرنے سے منع کیا گیا ہے، البتہ جہاں تک فساق وفجار اور بدکردار لوگوں کی بات ہے تو ان کے شر سے بچنے اور معاشرے کو بچانے کے لیے ان کی طرف سے چوکنا رہنا، ان کی نگرانی رکھنا کچھ غلط نہیں ہے۔ امام قرطبیؒ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أن الظن القبيح بمن ظاهره الخير لا يجوز، وأنه لا حرج في الظن القبيح بمن ظاهره القبح[2].

"جس شخص کا ظاہر بھلائی پر ہو، اس کے بارے میں برا گمان رکھنا جائز نہیں، البتہ جس کا ظاہر ہی برا ہو، اس کے متعلق برا گمان رکھنے میں حرج نہیں ہے"۔

کسی اور کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا

ہمارے بعض احباب نے اسے بھی غلط سمجھا ہے اور قرار دیا ہے کہ اس سے مراد خاندانی نظام کے اندر اگر عورت بوڑھے والدین یا دیگر اہل خانہ سے الگ رہنا چاہے تو مرد اسے باقی لوگوں کے ساتھ رکھنے پر مجبور نہیں

---

۱ صحیح البخاری:۵۱۴۳، صحیح مسلم:۲۵۶۳

۲ تفسیر القرطبی:۱۶/۳۳۲

کر سکتا۔ یہ قانون میں استعمال ہونے والے الفاظ کا بالکل غلط مفہوم ہے۔ قانون کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

Compelling wife to cohabit with and body other than husband

اس کا سادہ مفہوم عورت کو خاوند کے علاوہ افراد کے ساتھ جنسی اشتراک رکھنے پر مجبور کرنا ہے۔

اسلام میں نکاح کا مقصد عفت اور عصمت کی حفاظت ہے۔ شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو حجاب اور ستر فراہم کرے۔ اسے کسی اجنبی یا غیر محرم کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا دیوثیت کے زمرے میں آتا ہے، جس کی اسلام میں سخت ترین مذمت کی گئی ہے۔ اس شق کا مقصد ایسے امور کی روک تھام ہے جہاں بعض اوقات معاشی لالچ یا قرضوں کی ادائیگی کے عوض خواتین کو غلط کاموں یا غیر مردوں کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اسلام ایسی کسی بھی سرگرمی کو سختی سے منع کرتا ہے۔

اس سے اس خدشے کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ "اس طرح بوڑھے والدین کا کیا بنے گا؟" اسلام میں بوڑھے والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ رہنا سعادت ہے۔ اگر کوئی عورت محض والدین کی موجودگی کو بنیاد بنا کر اسے بدسلوکی کہے گی، تو قانون اسے قبول نہیں کرے گا کیونکہ والدین کے ساتھ رہنا پاکستان کے سماجی ڈھانچے اور اسلامی اقدار کا حصہ ہے۔ تاہم، اسلامی فقہ کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے ایسی خلوت کا مطالبہ کر سکتی ہے جہاں اس کا ستر محفوظ ہو اور وہ آزادانہ رہ سکے۔ اگر شوہر اسے زبردستی ایسے حالات میں رکھتا ہے جہاں اس کی پرائیویسی پامال ہو رہی ہو، تو وہ شرعاً بھی مطالبہ کر سکتی ہے، مگر اس کا مطلب والدین کو چھوڑنا نہیں بلکہ مناسب رہائش کا انتظام کرنا ہے۔

جنسی تشدد

ایکٹ کی شق ۳(d) میں وضاحت ہے کہ جنسی تشدد میں جنسی نوعیت کا ہر ایسا رویہ شامل ہے جو کمزور شخص یا کسی بھی دوسرے شخص کے وقار کو مجروح کرے، تذلیل کرے، رتبہ گھٹائے یا کسی دوسرے طریقے سے پامال کرے۔

اسلامی معاشرت میں ازدواجی تعلق کی بنیاد حیا، باہمی احترام اور پردہ پوشی پر ہے، جسے قرآنِ کریم نے ایک دوسرے کے لیے 'لباس' کی خوبصورت تمثیل سے بیان کیا ہے۔ لباس کا اصل مقصد حفاظت، زینت اور عیوب کی پردہ پوشی ہے۔ مزید برآں گھر کی آبادی ایک دوسرے کے مزاج کی تفہیم اور پھر اس کے مطابق ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھنے سے ممکن ہوتی ہے۔ جب خاوند بیوی ایک دوسرے کے لیے سکون کا

باعث ہیں تو اس مقدس رشتے کو صبر و شکر، ایثار و قربانی اور تسلیم و رضا کے اصول پر استوار ہونا چاہیے۔

مذکورہ شق ایک دوسرے کی تذلیل جیسے رویوں کی روک تھام کی ایک کوشش ہے جو کہ اسی لباسِ تقویٰ اور انسانی تکریم کے تحفظ کی جانب ایک اقدام ہے۔ تاہم اس قانون کے نفاذ میں یہ پہلو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ قانونی مداخلت بذاتِ خود گھر کے تقدس اور رازداری کے اس پردے کو چاک کرنے کے مترادف ہے، جس کے تحفظ کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اس شق کا اطلاق عدل اور احتیاط کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ یہ 'حیا' کے تحفظ کا ذریعہ بنے، نہ کہ اسے مزید مجروح کرنے کا سبب۔ مزید یہ کہ ایسی کسی بات کا گھر کی چاردیواری سے باہر نکلنا ہی باعثِ اذیت ہے۔ اس لیے ایسے امور کا تھانے کچہریوں اور عدالتوں میں جانے کے بعد گھروں کا آباد رہنا ممکن نہیں رہے گا۔

تیسرے فریق کی مداخلت

ایکٹ کی شق ۵(۱) میں بیان ہوا ہے کہ متاثرہ شخص یا متاثرہ شخص کی طرف سے مجاز کوئی دوسرا شخص عدالت میں درخواست پیش کر سکتا ہے۔

اگرچہ قانون تیسرے شخص کو مجاز ہونے کی صورت میں درخواست کا حق دیتا ہے، لیکن خاندانی معاملات میں بیرونی نمائندوں کی شمولیت گھر کی رازداری کو مجروح کر کے رکھ دے گی۔ نیز انسان اپنے گھر کے امور کو زیادہ بہتر جانتا ہے، وہ کبھی ایسی حکمت عملی اختیار کرتا ہے جس سے امور کی اصلاح ہو جاتی ہے، جبکہ تیسرا شخص ان تمام امور سے لاعلمی کی بنا پر معاملے کی صرف ایک جہت دیکھتا ہے جس سے گھر ٹوٹنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

بیانِ حلفی پر کارروائی

شق ۷(۲) میں بیان ہوا ہے: "اگر عدالت مطمئن ہو کہ درخواست بادی النظر میں (prima facie) یہ ظاہر کرتی ہے کہ جواب دہندہ نے گھریلو تشدد کا ارتکاب کیا ہے یا اس بات کا امکان ہے کہ جواب دہندہ گھریلو تشدد کا ارتکاب کر سکتا ہے، تو وہ متاثرہ شخص کے بیان حلفی (affidavit) یا کسی دوسرے ثبوت یا مواد کی بنیاد پر، سیکشن ۸، ۹ اور ۱۰ کے تحت فراہم کردہ طریقے سے جواب دہندہ کے خلاف حکم جاری کر سکتی ہے"۔

کسی شخص کے محض بیان حلفی پر کارروائی کسی طور قرینِ انصاف نہیں۔ کیونکہ اس پر مالی بوجھ ڈالنا، بچوں کی حوالگی یا اس پر دیگر پابندیاں عائد کرنا اسے نفسیاتی، معاشی اور معاشرتی پہلوؤں سے مجروح کرنا ہے، جس سے

عین ممکن ہے کہ وہ گھر کو مزید نہ بچا سکے اور گھر بکھر جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کسی بھی قسم کی کارروائی ٹرائل مکمل ہونے کے بعد کی جائے۔

جھوٹے مقدمات کا تدارک

ایکٹ کا جھکاؤ واضح طور پر ایک سمت میں دکھائی دے رہا ہے اور وہ کسی بھی صاحبِ شعور سے مخفی نہیں۔ مثلاً اگر کوئی فریق گھر کے تقدس کو پامال کر کے جھوٹی درخواست دائر کر دے تو اس پر کیا سزا ہو گی؟ اس حوالے سے قانون بالکل خاموش ہے جو اس کے ایک طرف جھکاؤ کو واضح کرتی ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس ایکٹ کے تحت قائم کیا گیا کوئی بھی مقدمہ گھر کی بنیادوں میں دراڑ ضرور ڈال دے گا اور غالب امکان ہے کہ اس کے بعد گھر قائم نہ رہ سکے گا۔

خلاصہ

① ایکٹ میں موجود اصطلاحات انتہائی مبہم ہیں، جن کا اطلاق مسائل کے حل کے بجائے ان میں اضافے کا سبب بن سکتا ہے۔

② باپ، شوہر، گھر کے سربراہ یا کسی نیک صفت شخص کے مصلحانہ کردار کو مجرمانہ قرار دینا کچھ مشکل نہیں رہے گا۔

③ گھر کے داخلی امور میں پولیس کی مداخلت فی نفسہ تفریق کا سبب ہے۔ اس سے مفاہمت کی راہیں مسدود ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔

④ محض بیان حلفی پر کارروائی خاندانوں کو جوڑنے کے بجائے توڑنے کا سبب بن سکتی ہے۔

⑤ جھوٹے مقدمے پر ایکٹ میں کوئی سزا بیان نہیں کی گئی جو ایکٹ کے ایک طرف جھکاؤ کی واضح دلیل ہے۔

⑥ بادی النظر میں یہ ایکٹ من چاہی آزادی کے حصول میں معاون دکھائی دیتا ہے۔

⑦ جب میاں بیوی کی نجی گفتگو اور رویے عدالت کے کٹہرے میں زیرِ بحث آئیں گے، تو وہ "لباس" جس کا کام عیوب کو ڈھانپنا تھا، تار تار ہو جائے گا۔ یہ قانون دراصل علاج کے نام پر وہ زہر فراہم کر رہا ہے جو مرض تو شاید ختم نہ کرے لیکن مریض (خاندان) کی موت کا باعث ضرور بن سکتا ہے۔

(ڈاکٹر جواد حیدر)

طلاقوں کی بڑھتی ہوئی شرح؛ اسباب اور حل

(تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام سے مکالمہ)

فضیلۃ الشیخ حافظ محمد شریف حفظہ اللہ

ترتیب: عبدالرحمن عزیز

خطبہ مسنونہ کے بعد!

پچھلے دنوں ہمارے معاشرے کا ایک بہت ہی سلگتا ہوا مسئلہ میرے سامنے آیا ہے، جس نے میں مجھے بہت زیادہ دکھ اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے، تو میں نے سوچا کہ اپنے علمائے کرام کے سامنے یہ مسئلہ رکھوں کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ امت کی قیادت اور سیادت کرنا علماء کی ذمہ داری ہے۔ اور اس مسئلہ میں الحمدللہ کسی قسم کا کوئی اختلاف بھی نہیں، بالکل متفق مسئلہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں کثرت کے ساتھ خاندانوں میں طلاقیں واقع ہو رہی ہیں۔ طلاق سے صرف میاں بیوی کے درمیان ہی جدائی نہیں ہوتی بلکہ پورا گھر تباہ ہوتا ہے، دو خاندانوں میں نفرت اور بغض کی چنگاریاں سلگنے لگتی ہیں اور اس کے اثرات اولاد پر بھی پڑتے ہیں۔ بچوں کی نشوونما، تعلیم اور تربیت برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اتنی کثرت سے طلاقیں واقع ہو رہی ہیں کہ فیصل آباد کی یونین کونسلوں کے ذریعے ایک رپورٹ تیار کی گئی ہے اس کے مطابق پچھلے چھ ماہ میں پچیس ہزار طلاقیں ہوئیں۔ گزشتہ ایک ماہ میں چار ہزار طلاقیں ہوئیں ہیں۔ یہ صرف ضلع فیصل آباد کی حالت ہے باقی شہروں اور صوبوں کی کیا حالت ہو گی؟

ہمیں سوچنا چاہیے کہ اس تباہ کن صورتحال کا سبب اور حل کیا ہے؟ میرے خیال کے مطابق اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے ہمارے ہاں نکاح کے موقع پر تو عالم کو بلایا جاتا ہے اور اس کی موجودگی میں نکاح ہوتا ہے، لیکن طلاق دیتے وقت بالکل علماء کرام سے رہنمائی نہیں لی جاتی۔ حالانکہ جس طرح نکاح کا ایک طریقہ ہے اسی طرح طلاق کا بھی ایک خاص طریقہ کار اور مخصوص احکام ہیں۔ اگر طلاق دیتے ہوئے بھی کسی عالم دین سے رہنمائی لی جائے تو طلاقوں کی شرح میں بڑی حد تک فرق پڑ سکتا ہے۔

طلاق اگرچہ فی نفسہ اچھی چیز نہیں ہے، آپ سب جانتے ہیں کہ شیطان سب سے زیادہ خوش اپنے ان شتونگڑوں سے ہوتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں۔ جادوگروں کا حملہ بھی سب سے زیادہ اسی

پر ہوتا ہے، ﴿مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ﴾ [البقرۃ:۱۰۲] ''وہ خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کراتے ہیں''۔ ایک حدیث بھی ہے جسے بعض محدثین نے مرسل اور بعض نے موصول کہا ہے:

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ تَعَالَى الطَّلَاقُ.[1]

یعنی طلاق حلال چیز ہے لیکن سب سے زیادہ اللہ کو ناپسند ہے۔

طلاق کے بھی مختلف احکام ہیں، لہٰذا طلاق کے معاملے میں علماء کرام سے رہنمائی لینی چاہیے۔

دوسری بڑی وجہ تین طلاقیں اکٹھی دینا ہے۔ ہمارے عوام الناس خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے، ان کی جہالت کا یہ حال ہے کہ سمجھتے ہیں جب تک تین طلاقیں نہیں دیں گے، عورت سے جان نہیں چھوٹے گی۔ اس لیے جب کسی مرد کے جذبات کو اس کے اہل خانہ کی طرف سے ٹھیس پہنچتی ہے تو وہ فوراً تین طلاقیں دے دیتا ہے۔

سب علمائے کرام جانتے ہیں کہ طلاق کی بنیادی طور پر دو قسمیں کی ہیں: طلاق سُنی اور طلاق بدعی۔ تمام فقہائے کرام نے بلا اختلاف یہ تقسیم کی ہے۔

طلاق بدعی کا معنی یہ ہے کہ آدمی ایسے طریقے سے طلاق دے رہا ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کر رہا ہے۔ اور طلاق سنی، جو قرآن وسنت کی روشنی میں دی گئی ہو۔

ایک دفعہ میرے پاس ایک بڑے بزرگ تشریف لائے، جن کی عمر ان کے بقول ۷۵ سال تھی، ان کے پوتے اور نواسے بھی تھے۔ آنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے: میری بیوی سے کچھ ناراضگی ہوئی تو میں نے تینوں طلاقیں دے دیں، میں نے پوچھا آپ نے ایک طلاق کیوں نہیں دی، کہنے ایک طلاق سے میری جان نہیں چھوٹنی تھی، اس لیے میں نے سوچا کہ تینوں ہی دے دوں۔

ہماری یونین کونسلز اور کچہریوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہاں کوئی شخص طلاق کی غرض سے جاتا ہے تو وہ تین اشٹام پیپرز پر الگ الگ تاریخیں ڈال کر سائن کروا لیتے ہیں اور پھر ہر مہینے ایک ایک پیپر عورت کو بھیجتے رہتے ہیں، کیونکہ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر جان نہیں چھوٹے گی۔ یہ سب جذبات اور جہالت کے کرشمے ہیں۔ پھر انہیں کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟ کس طرح گھر تباہ ہوتے اور کس طرح بچے برباد ہوتے ہیں؟ یہ سب آپ حضرات کے سامنے ہیں۔

---

1 سنن أبي داود: ۲۱۷۸، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۸

اس حوالے سے علمائے کرام کے سامنے دست بستہ دو گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں:

① علماء کرام کو چاہیے کہ وہ عوام کو بتائیں کہ آپ کو طلاق دینے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ طریقہ اختیار کریں جو قرآن وسنت سے ثابت ہے، آپ بدعی طریقہ اختیار کر کے گناہ گار کیوں ہوتے ہیں۔ بدعی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں، اکٹھی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں یا ایک، یہ الگ بحث ہے۔ اس میں آپ جس موقف کو راجح سمجھتے اس کے مطابق فتویٰ دیں، لیکن یہ تو انہیں بتائیں کہ تین طلاق اکٹھی دینا بدعت ہے۔ اور ایک طلاق سے بھی آپ کی جان چھوٹ سکتی ہے، تین طلاقیں دینے کی ضرورت نہیں۔

② طلاق دینے کا مسنون طریقہ جو میں سمجھا ہوں، یہ ہے کہ طلاق دینے سے پہلے آدمی دیکھے کہ میری بیوی کسی حالت میں ہے اگر وہ حیض میں ہے تو اس حالت میں طلاق دینا بدعی طلاق ہے۔ جمہور کے قول کے مطابق اگر وہ واقع ہو بھی جائے تو بھی وہ گنہگار تو ہو گا، کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔ ہم اسے گناہ سے تو بچائیں۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی ایام طہارت میں ہے، تو اس میں شرط ہے: (لم یمسھا فیه) کہ اس طہر میں اس نے اپنی بیوی سے جنسی تعلق قائم نہ کیا ہو۔ پھر وہ ایک طلاق دے۔ یہ سنت طریقہ ہے اور یہ طلاق حسن اور احسن ہے۔ اگر وہ بیوی کو اس کے حیض کے ایام میں طلاق دیتا ہے یا ایسے طہر میں طلاق دیتا ہے جس میں اس نے بیوی سے تعلق قائم کیا ہے تو یہ طلاق بدعی ہو گی اور وہ گناہ گار ہو گا۔

③ تیسری شرط یہ ہے کہ طلاق دیتے ہوئے گواہ بنائے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ [الطلاق: ٢] "اور دو عادل لوگوں کو گواہ بناؤ"۔ حدیث میں ہے کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر میں نے رجوع کر لیا ہے، وہ فرمانے لگے: کیا گواہ بھی بنائے تھے وہ کہنے لگا: نہیں، تو آپؓ نے فرمایا: (طلقت لغیر سنة، وراجعت لغیر سنة) "تو نے طلاق بھی سنت سے ہٹ کر دی اور رجوع بھی خلاف سنت کیا"۔

علماء کرام کے پاس ایسے کئی لوگ آتے ہیں کہ بیوی کہتی ہے کہ خاوند نے مجھے طلاق دی ہے جبکہ خاوند کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ اب مفتی کے لیے الجھن پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کیا کرے۔ چونکہ طلاق خاوند کا حق ہے اور وہ طلاق دینے سے انکاری ہے اور بیوی کے پاس گواہ نہیں ہیں۔ جب مفتی عدم طلاق کا فتویٰ دیتا ہے تو بیوی کہتی کہ جب میں نے پورے ہوش وحواس کے ساتھ اپنے کانوں سے طلاق سنی ہے تو میں کیونکر اس کے ساتھ رہوں؟ اس لیے طلاق دینے والے کے لیے ان تین شروط کا پورا کرنا ضروری ہے: طلاق طہر میں ہو،

دوسری ایسے طہر میں ہو جس میں خاوند بیوی نے جنسی تعلق قائم نہ کیا ہو، تیسری شرط کہ گواہ بنائے جائیں۔ یہ آخری شرط اگرچہ سنت کے درجے میں ہے لیکن اس کی عدم موجودگی میں طلاق بدعی ہو گی۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں اہل سنت کے مکاتب فکر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اب اگر مرد عدت کے اندر رجوع نہیں کرتا تو عورت اس کی زوجیت سے نکل جائے گی، یہ بھی آزاد اور وہ بھی آزاد، وہ جہاں چاہیں شادی کر لیں۔

سنت طریقے کے مطابق طلاق دینے سے خاوند اور بیوی کے درمیان جدائی بھی ہو جاتی ہے اور اگر وہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر دوبارہ ملنا چاہیں تو نیا نکاح کر سکتے ہیں۔ اس میں بھی کسی مکتب فکر کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن ہمارے عوام الناس غصے اور جلد بازی میں تینوں طلاقیں دیتے ہیں، یہ سمجھ کر کہ تین کے بغیر میری جان نہیں چھوٹے گی، اس کی وجہ سے بہت سارے مفاسد پیدا ہو رہے ہیں۔ خواہ ایک ہی دفعہ دے یا مہینے مہینے کے بعد دے، ایک ہی حکم ہے۔

میری گزارش یہ ہے کہ آپ علماء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں ہمیں اپنے خطبوں میں، دروس یا شارٹ کورس میں سب سے پہلے تو لوگوں کو یہ بتانا چاہیے کہ گھر میں سکون اور راحت پیدا کرنے کے طریقے کیا ہیں؟ طلاق سے بچنے کے راستے کیا ہیں؟ اور اگر طلاق دینا ضروری ہو جائے تو ایک ہی طلاق دیں۔ اس لیے کہ یہی سنت طریقہ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک طلاق دینے سے عدت کے اندر اندر رجوع اور عدت کے بعد نئے نکاح کا راستہ کھلا رہتا ہے۔ مہینوں بلکہ سالوں بعد بھی اگر یہ میاں بیوی آپس میں دوبارہ ملنا چاہیں تو نئے نکاح کے ساتھ وہ دوبارہ میاں بیوی بن سکتے ہیں، گھر آباد کر سکتے ہیں، اپنے بچوں کو سنبھال سکتے ہیں۔

علماء کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے سائنوں کے ساتھ یہ مسئلہ لکھ کر کونسلوں اور کچہریوں کو بھیجیں۔ اس مسئلہ میں وکیل بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں، لہٰذا علماء کرام کو چاہیے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے وکیلوں کے مجلس کریں اور انہیں سمجھائیں کہ اگر آپ کے پاس کوئی طلاق کا قضیہ لے کر آتا ہے تو اسے تین طلاقوں کا مشورہ نہ دیں بلکہ ایک طلاق کا مشورہ دیں جو سنت سے ثابت ہے۔ ہمیں یہ تحریک چلانی چاہیے، حکومت کے ذمہ داران سے بھی بات کریں تاکہ یہ ایک قانونی راستہ بن جائے۔ ہم کوشش کریں کہ جذباتی طلاقوں کے فتنے کو کم کریں تاکہ گھر برباد ہونے سے بچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

زکوٰۃ کے مال سے محتاج طلبہ کے لیے دینی کتب خریدنا

محدث فتاویٰ کونسل
ترتیب : عبدالرحمن عزیز

سوال

دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کی بہت بڑی تعداد مستحق بچوں کی ہوتی ہے۔ان طلبہ وطالبات کے لیے قرآن کریم سمجھنے کے لیے ایک کتاب معلم القرآن ہدیہ کرنے کا ارادہ ہے تاکہ یہ طلبہ و طالبات قران کریم کو سمجھ کر پڑھیں۔چونکہ یہ بچے کتابیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے اس لیے ہم انہیں اپنے مال زکاۃ میں سے معلم القران اور دیگر دینی علوم کی کتب بڑی تعداد میں فراہم کرنا چاہتے ہیں۔کیا یہ امر مصارف زکاۃ میں داخل ہے اور ہم زکاۃ کے مال سے یہ کتابیں حاصل کر کے تقسیم کر سکتے ہیں؟

جواب

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

قرآن مجید میں زکاۃ کے مستحق افراد کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ [التوبة: ٦٠]

"صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر میں (خرچ کرنے کے لیے ہیں)۔یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے"۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں زکاۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں،ان میں ایک فقیر اور دوسرا مسکین ہے،لہٰذا اگر طالب علم مسکین ہے تو بالاتفاق اسے زکوۃ دی جاسکتی ہے یا کتب خرید کر بھی دی جاسکتی ہیں۔اگر کوئی طالب علم مسکین کی زمرے میں نہیں آتا تب بھی علماء کے قول کے مطابق اسے زکوۃ دی جاسکتی ہے۔اور اس کی دو وجوہات ہیں:ایک جس طرح زکوۃ کے محکمے میں کام کرنے والے کو زکوۃ سے تنخواہ دی جاتی ہے،کیونکہ

وہ وقت نکالتا اور محنت کرتا ہے، اسی طرح طالب علم بھی علم دین حاصل کرنے کے لیے وقت نکالتا ہے اور محنت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ [البقرة: ٢٧٣]

"(یہ صدقات) ان محتاجوں کے لیے ہیں جو اللہ کے راستے میں روک گئے ہیں، زمین میں سفر نہیں کر سکتے، ناواقف انہیں سوال سے بچنے کی وجہ سے مالدار سمجھتا ہے"۔

اسی بنیاد پر فقہاء نے لکھا ہے:

أَنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَجُوزُ لَهُ أَخْذُ الزَّكَاةِ وَلَوْ غَنِيًّا إِذَا فَرَّغَ نَفْسَهُ لِإِفَادَةِ الْعِلْمِ وَاسْتِفَادَتِهِ لِعَجْزِهِ عَنْ الْكَسْبِ وَالْحَاجَةُ دَاعِيَةٌ إلَى مَا لَا بُدَّ مِنْهُ[1].

"طالب علم کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے، اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو، بشرطیکہ وہ علم کی افادیت اور اس سے استفادہ کے لیے اپنے آپ کو فارغ رکھے، کیونکہ وہ کمانے سے عاجز ہوتا ہے اور حاجت اس چیز کی داعی ہوتی ہے جس سے چارہ نہیں"۔

اسی طرح ایک مصرف فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ہے۔ مفسرین نے اس لفظ کے دو معنی بیان کیے ہیں: ایک، جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ہر خیر کا کام فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

المجمع الفقهي الإسلامي (جس میں دنیا بھر سے کبار فقہا شامل ہیں) نے اپنے دسویں اجلاس میں، جو مکہ مکرمہ میں ۲۷/۴/۱۴۰۸ھ تا ۸/۵/۱۴۰۸ھ منعقد ہوا، اللہ تعالیٰ کے فرمان: (وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ) کے مفہوم، اس کی دلالت اور علماء کے درمیان اس کے معنی میں پائے جانے والے اختلاف کا مطالعہ کیا اور دوسرے معنیٰ کو ترجیح دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اس مسئلے میں علماء کی مختلف آراء ہیں، پہلا قول: (فِي سَبِيلِ اللّٰهِ) سے مراد صرف اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے (مجاہدین) ہیں۔ یہی جمہور علماء اور اکثر فقہاء کا موقف ہے۔ ان کے نزدیک یہ مصرف صرف مجاہدین تک محدود ہے، اس میں کوئی اور داخل نہیں۔ دوسرا قول: (فِي سَبِيلِ اللّٰهِ) ایک عام اور وسیع مفہوم رکھتا ہے، جو اللہ کے راستے کے ہر کام کو شامل ہے، جیسے: مساجد کی تعمیر و مرمت،

---

1 الدر المختار وحاشية ابن عابدين: ٢/ ٣٤٠

مدارس کا قیام، سرحدوں کی حفاظت، راستوں کی تعمیر اور وہ تمام امور جن سے دین اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ یہ قول بعض متقدمین سے منقول ہے اور بعض معاصر علماء نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ مجمع نے دلائل پر غور و خوض اور تفصیلی بحث کے بعد درج ذیل نکات کی بنا پر اسی قول کو ترجیح دی:

① بعض علماء نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے اور بعض آیات میں اس کی گنجائش بھی نظر آتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَآ أَنفَقُوا۟ مَنًّا وَلَآ أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ﴾ [البقرة: ٢٦٢]

”جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر اپنے خرچ کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے ہاں اجر ہے“۔

رسول اللہ ﷺ نے ام معقل رضی اللہ عنہا سے حج پر نہ جانے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: ہمارے پاس ایک ہی اونٹ ہے جسے میرے خاوند نے سبیل اللہ وقف کر دیا تھا، یعنی کوئی دوسرا اونٹ تھا ہی نہیں اس لیے میں حج پر نہیں جا سکی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَهَلَّا خَرَجْتِ عَلَيْهِ، فَإِنَّ الْحَجَّ فِي سَبِيلِ اللهِ [1].

”پس تو اسی پر حج کے لیے کیوں نہیں گئی، بلاشبہ حج بھی فی سبیل اللہ میں شامل ہے“۔

② جہاد بالسلاح (ہتھیار کے ذریعے جہاد) سے مقصود اللہ کے کلمے کو بلند کرنا اور اس کے دین کی دعوت پھیلانا ہے۔ تو داعیانِ دین کی تیاری، ان کی مدد اور ان کے کام کو مضبوط بنانا بھی اسی مقصد میں شامل ہے، لہٰذا یہ سب جہاد ہی کی اقسام ہیں۔ اس کی دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ، وَأَنْفُسِكُمْ، وَأَلْسِنَتِكُمْ [2].

”مشرکین سے اپنے مال، جان اور زبان کے ذریعے جہاد کرو“۔

③ آج اسلام فکری اور اعتقادی یلغار کا شکار ہے، جو ملحدین، یہود و نصاریٰ اور دیگر دشمنانِ دین کی طرف سے ہے اور ان کے پیچھے مادی اور فکری دونوں قسم کی مدد موجود ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اسی

1　سنن ابو داود: ۱۹۸۹، صحیح

2　مسند احمد: ۱۲۲۴۶، سنن ابی داود: ۲۵۰۴، صحیح

نوعیت کے ہتھیار کے ذریعے مقابلہ کریں جس سے اسلام پر حملہ کیا جارہا ہے، یہ زیادہ مؤثر طریقہ ہے۔

④ موجودہ دور میں اسلامی ممالک میں جنگیں مخصوص وزارتوں کے تحت ہوتی ہیں اور ہر ریاست کے بجٹ میں فوج اور اسلحہ کے لیے مستقل مالی وسائل ہوتے ہیں، جبکہ دعوت و تبلیغ کے لیے اکثر ممالک میں نہ تو باقاعدہ بجٹ ہوتا ہے اور نہ ہی مناسب تعاون۔

ان تمام اسباب کی بنا پر مجلس نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ (فِي سَبِيلِ اللهِ) سے مراد۔ وسیع مفہوم میں۔ دعوت الی اللہ دینا اور اس سے متعلق تمام معاون سرگرمیاں شامل ہیں۔ واللہ اعلم[1]۔"

دین کی نشر و اشاعت علم اور جہاد دونوں طریقوں سے ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اختیار کرنے کی اکٹھی ترغیب دی ہے، فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴾ [التوبة: ١٢٢]

"مناسب نہیں کہ مومن سب کے سب (جہاد کے لیے) نکل جائیں، سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب ان کی طرف واپس جائیں، تاکہ وہ بچ جائیں"۔

یعنی سارے لوگوں کو جہاد کے لیے نہیں جانا چاہیے، بلکہ کچھ لوگوں کو علم حاصل کرنے کے لیے بھی نکلنا چاہیے، تاکہ وہ قوم کی رہنمائی کر سکیں۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ [التحريم: ٩]

"اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کر اور ان پر سختی کر"۔

مذکورہ بالا آیت میں منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ منافقین کے خلاف جہاد علم سے ہوتا ہے، اسلحہ سے نہیں ہے۔ اس لیے علم کی نشر و اشاعت بھی جہاد میں داخل ہے۔

مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے علم سیکھنے کو بھی "فی سبیل اللہ" میں شامل کیا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ خَرَجَ فِي

---

1 https://alshatiby.org/index.php?s=blog&id=٨

طَلَبِ العِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ حَتَّى يَرْجِعَ».[1]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو علم حاصل کرنے کے لیے نکلا تو وہ فی سبیل اللہ میں ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے"۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ جَاءَ مَسْجِدِي هَذَا، لَمْ يَأْتِهِ إِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يُعَلِّمُهُ، فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ.[2]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ فرمارہے تھے: جو شخص میری اس مسجد میں آیا اور اس کا مقصد صرف خیر سیکھنا یا سکھانا تھا تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے درجے میں ہے"۔

مندرجہ بالا گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ محتاج اور اور غیر محتاج طلبہ کے لیے زکاۃ کے مال سے ان دینی کتب کی خریداری کرنا جن کی انہیں اشد ضرورت ہو جائز ہے۔

اس کے علاوہ یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہے کہ مال زکوۃ کے مصارف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے لام تملیک کا ذکر کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان افراد کو زکاۃ کے مال کا مالک بنانا ضروری ہے، تاکہ وہ اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق اسے خرچ کر سکیں اور وہ اپنی ضرورتوں کو دوسروں سے بہتر جانتے ہیں۔ لہٰذا بہترین طریقہ یہ ہے کہ زکاۃ کا مال ادارے کے مدیر کو دے دیا جائے جو پوری طرح سے امین اور دیانت دار ہو، وہ مستحق بچوں کی ضرورت کے مطابق ان پر خرچ کرے۔ اگر مدیر خود کہے کہ ہمیں فلاں فلاں کتابیں چاہئیں تو پھر آپ انہیں مطلوبہ کتابیں لے کر دے دیں۔ واللہ أعلم بالصواب.

مفتیانِ کرام

فضیلۃ الشیخ مفتی حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ مفتی محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمن یوسف مدنی حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ قاری عبدالحلیم بلال حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ مفتی عبدالخالق حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ محمد ادریس اثری حفظہ اللہ

1 سنن الترمذی: ۲۶۴۷، امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے۔
2 سنن ابن ماجہ: ۲۲۷، زوائد میں اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

اذان کے بعد بازاروں میں نماز کا اعلان کرنا

سوال میری یہ عادت ہے کہ میں فجر کی اذان کے بعد گلیوں میں گھوم پھر کر حی علی الصلاۃ کی صدائیں لگاتا ہوں اور میرے اس عمل کا مقصد لوگوں کو نماز کے لیے جگانا اور تیار کرنا ہے، بعض لوگوں نے مجھے کہا یہ عمل بدعت ہے۔ اس حوالے سے مفتیان کرام سے میرا سوال یہ ہے:

① کیا قرآن وسنت کی رو سے میرا یہ عمل واقعی بدعت کے زمرے میں آتا ہے؟

② اگر یہ عمل بدعت ہے تو گھروں میں والدین اپنے بچوں کو جگاتے ہیں یا مدارس میں اساتذہ کرام طلبہ کو جگاتے ہیں تو کیا وہ بھی بدعت ہو گا؟

③ میں نے سعودیہ میں بھی دیکھا ہے کہ وہاں ایک باقاعدہ محکمہ ہے جو ہر اذان کے بعد بازاروں میں گھوم پھر کر دوکانیں بند کراتے اور لوگوں کو مساجد کی طرف بھیجتے ہیں، ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَاةَ لَيْسَ يُنَادَى لَهَا، فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذَلِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ بُوقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ، فَقَالَ عُمَرُ: أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ»[1].

"جب مسلمان مدینہ تشریف لائے تو نماز کے وقت کا اندازہ کر کے اس کے لیے جمع ہوا کرتے تھے کیونکہ اس وقت اذان کا اہتمام نہ تھا۔ ایک دن انہوں نے اس کے متعلق باہم مشورہ کیا تو کسی نے کہا: عیسائیوں کی طرح ایک ناقوس بنا لیا جائے، اور کچھ نے کہا: یہودیوں کے بگل کی طرح ایک نرسنگھار رکھ لیا جائے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ایک آدمی کو کیوں نہیں بھیجتے جو نماز کے وقت کی اطلاع دیا کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسے پسند کیا اور) فرمایا: اے بلال! اٹھو نماز کی اطلاع دو"۔

---

1 صحیح بخاری: ۶۰۴، صحیح مسلم: ۳۷۷

اس کے بعد نماز کے لیے باقاعدہ اذان مقرر کی گئی اور اسے شعارِ اسلام قرار دیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْا۟ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ ﴾ [الجمعة: ۹]

"اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو"۔

﴿ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ ٱتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴾ [المائدة: ۵۸]

"اور جب تم نماز کے لیے اذان کہتے ہو تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور کھیل بناتے ہیں، یہ اس لیے کہ یہ لوگ عقل نہیں رکھتے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی اطلاع دینے کے لیے شریعت نے اذان ہی مقرر کی ہے۔ اذان کے الفاظ میں نہ تبدیلی کی جاسکتی ہے اور نہ اس مقصد کے لیے اذان چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَثَوَّبَ رَجُلٌ فِي الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ، قَالَ: «اخْرُجْ بِنَا فَإِنَّ هَذِهِ بِدْعَةٌ»[1].

"میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ (ایک سفر میں) تھا (ہم ایک مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا) کہ آدمی ظہر یا عصر پر تثویب کر رہا تھا۔ تو ابن عمرؓ فرمانے لگے: مجھے یہاں سے نکالو، بلاشبہ یہ بدعت ہے"۔

علماء کرام نے تثویب کے دو معانی کیے ہیں:

ایک، صبح کی اذان میں الصلاة خير من النوم کہنا۔ چونکہ شریعت نے یہ الفاظ اذان فجر کے ساتھ خاص کیے ہیں، جبکہ وہ شخص ظہر یا عصر کی اذان کے بعد الصلاة خير من النوم کے الفاظ استعمال کر رہا تھا، اس لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے بدعت قرار دیا۔

دوسرا، اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لیے آوازیں دے کر بلانا۔ چونکہ شریعت نے جماعت کا وقت بتانے کے لیے اذان مقرر کی ہے، لہٰذا اس مقصد کے لیے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا بدعت ہوگا۔

مذکورہ دلائل کی بنیاد پر اذان کے بعد بازاروں میں ڈھول پیٹ کر یا آوازیں لگا لگا کر لوگوں کو نماز کی طرف بلانا یقیناً بدعت شمار ہوگا۔ جیسا کہ شیخ الحدیث عمر فاروق سعیدی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

"تثویب سے مراد ایک تو وہ کلمہ ہے جو فجر کی اذان میں کہا جاتا ہے یعنی [الصلوٰةُ خَيْرٌ مِّنَ النوم] یہ حق اور مسنون ہے مگر یہاں اس سے مراد وہ اعلانات وغیرہ ہیں جو اذان ہو جانے کے بعد لوگوں کو

1 سنن ابو داود: ۵۳۸، حسن

مسجد میں بلانے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے کچھ حیلہ بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہیں درود شریف پڑھا جاتا ہے اور کہیں تلاوت قرآن کی جاتی ہے اور کہیں صاف سیدھا اعلان بھی کیا جاتا ہے کہ جماعت میں اتنے منٹ باقی ہیں تو ایسی کوئی صورت بھی جائز نہیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ نماز کا وقت ہو جانے کے بعد بروقت نماز کے لیے حاضر ہوں۔ ہاں مسجد کی طرف راہ چلتے ہوئے کسی سوئے ہوئے کو جگانا یا غافل اور سست لوگوں کو متنبہ کر دینا کہ اٹھو نماز کے لیے چلو، بلاشبہ جائز اور مطلوب ہے۔ یہ منوعہ تثویب میں شمار نہیں"[1]۔

بعض علماء کرام کا یہ بھی خیال ہے کہ اذان کہنے کے بعد مسجد ہی میں کھڑے ہو کر اعلان کرنا تو بلاشبہ بدعت ہے کیونکہ یہ اذان کا بدل ہے۔ لیکن کسی دوسری جگہ پر لوگوں کو نماز کے لیے کہنا اس حکم میں نہیں آتا۔ بہر حال بازاروں میں نماز کے لیے باقاعدہ آوازیں لگانے سے پرہیز بہتر ہے۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ والدین اپنے بچوں کو یا اساتذہ اپنے طلبہ کو نماز کے لیے عملاً جگاتے ہیں تو اس میں حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اذان کے مقابلے کا کوئی عمل نہیں بلکہ اذان جس کام کی دعوت ہے اس کے لیے عملاً تیار کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا باقاعدہ حکم دیا ہے، فرمایا:

«مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ، وَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ فَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا»[2].

"بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور جب دس برس کا ہو جائے تو نماز میں کوتاہی پر اسے مارو۔"

اسی طرح صاحب اختیار کا کسی کو نماز میں سستی پر ڈانٹ ڈپٹ کرنا یا سزا دینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شامل ہے۔ جیسا کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ، فَيُحْطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ، فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ[3].

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے پروگرام بنایا ہے کہ میں لکڑیاں اکٹھی

---

1 شرح سنن ابو داؤد، دار السلام (۱/۴۳۸): ۵۳۸
2 سنن ابو داؤد: ۴۹۴، حسن صحیح
3 صحیح بخاری: ۶۴۴، صحیح مسلم: ۶۵۱

کرنے کا حکم دوں، لکڑیاں اکٹھی ہو جائیں تو اذان کہنے کا حکم دوں، پھر کسی کو جماعت کرانے کا کہوں، پھر میں ان لوگوں کے گھروں میں جاؤں جو گھروں میں بیٹھے ہیں ان سمیت ان کے گھر جلا ڈالوں"۔

سعودی عرب میں ادارہ 'ہیئۃ الأمر بالمعروف' والوں کا اذان کے بعد بازاروں میں دوکانیں بند کرانا یا لوگوں کو مسجد جانے کی ترغیب دینا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حصہ ہے، جو اسلامی حکومت پر فرض ہے۔[1]

اس کے برعکس ہمارے ہاں بعض مساجد میں فجر کی جماعت سے چند منٹ پہلے اسپیکر میں اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ کہتا جاتا ہے۔ یہ انداز یقیناً بدعت ہے، کیونکہ یہ اذان کے الفاظ، اذان کے انداز میں اور اذان ہی کی جگہ پر کہے جا رہے ہیں، جیسا کہ مؤطا امام مالک میں ہے:

قال مَالِكٌ؛ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يُؤْذِنُهُ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ، فَوَجَدَهُ نَائِماً. فَقَالَ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ. فَأَمَرَهُ عُمَرُ يَجْعَلُهَا فِي نِدَاءِ الصُّبْحِ[2].

"امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ مؤذن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس نماز فجر کی جماعت کا وقت ہونے کی اطلاع دینے کے لیے آیا تو دیکھا کہ وہ سو رہے ہیں، تو اس نے کہا: اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے فجر کی اذان ہی میں کہا کرو"۔

لہٰذا اگر کوئی شخص گلی محلے میں چل پھر کر اذان کے کلمات دہرائے یا اس سے ملتے جلتے کلمات کہے تو یہ بدعت ہے۔ البتہ اذان کے بعد سستی کرنے والوں کو تنبیہ کرنے میں حرج نہیں ہے۔ واللہ أعلم بالصواب.

مفتیانِ کرام

فضیلۃ الشیخ مفتی حافظ عبد الستار حماد حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ مفتی محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمن یوسف مدنی حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ قاری عبد الحلیم بلال حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ مفتی عبد الخالق حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ محمد ادریس اثری حفظہ اللہ

---

۱ سورۃ النور: ۵۵، ۵۶

۲ موطأ امام مالک، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی النداء للصلاۃ: ۲۳۲، و سندہ منقطع

اہل تشیع کو اس حدیث سے یہ غلطی لگی اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ (اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ) کے الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان میں داخل کیے ہیں۔ حالانکہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اذان فجر میں کہے جا رہے تھے۔ [سنن أبي داود: ۵۰۰]

منہجِ سلف کے راہ نما اصول و اقدار

الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمن السدیس[1]
ترجمہ: ڈاکٹر آصف جاوید[2]

حمد و صلاۃ کے بعد

أعوذ بالله من الشيطن الرجيم ، بسم الله الرحمن الرحيم

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوۡلٗا سَدِيدٗا ۝ يُصۡلِحۡ لَكُمۡ أَعۡمَٰلَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيمًا ۝ ﴾ [الأحزاب: ٧٠،٧١]

شاعر نے کہا تھا:

المتَّقونَ قومٌ فَعلوا خيْرًا فعلَوا وعَلى درَجِ العُليا دَرَجوا
و هُم في الدُّنيا فيها أرَجٌ تحيا و تَعيشُ بِها المُهَجُ

”پرہیز گار وہ لوگ ہیں جنھوں نے نیکیاں کیں اور اعلیٰ مراتب کی سیڑھیوں پر چڑھ گئے
اور ان کے لیے دنیا میں بھی خوشبو ہے۔ جس خوشبو سے دل زندہ اور روحیں تر و تازہ رہتی ہیں“۔

اس پرفتن دور میں راہ حق کی تلاش ضروری ہے!

اے مؤمنو کی جماعت!

اس دور میں جب دنیا فتنے اور بے چینی سے بھری ہوئی ہے، آزمائشوں اور جھگڑوں سے معمور ہے، انسان کو ضرورت ہے کہ وہ نجات کا راستہ تلاش کرے۔ چنانچہ ہر دانشمند، ہوشیار اور عقل مند کو ایک روشن طریقہ درکار ہے جس سے وہ راستہ پہچان سکے؛ تاکہ وہ کوتاہ فہمی سے بچ سکے، درست درجے تک پہنچے اور سالکین کے مدارج میں ترقی کرتے ہوئے رب العالمین کی رضا حاصل کر سکے۔ یہ کام ناممکن ہے، جب تک آدمی اس طرح کے مضبوط ایمان، صحیح عقیدہ اور درست منہج کا حامل نہ ہو، جیسا عقیدہ و منہج ہمارے سلف صالحین رحمہم اللہ کا تھا۔

---

1 شیخ عبد الرحمن السدیس امام و خطیب حرم مکی نے یہ خطبہ خانہ کعبہ میں ماہ ستمبر ۲۰۲۵ کے آغاز میں ارشاد فرمایا۔

2 فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ[1].

"سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر جو ان کے بعد ہیں، پھر جو ان کے بعد آئیں گے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوبًا، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، قَوْمٌ اخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ صلى الله عليه وسلم وَنَقْلِ دِينِهِ، فَتَشَبَّهُوا بِأَخْلَاقِهِمْ وَطَرَائِقِهِمْ فَهُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ[2].

"جو شخص کسی کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہو، اسے ان کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جو وفات پا چکے ہیں کیونکہ جو زندہ ہیں وہ فتنوں سے محفوظ نہیں۔ فوت شدگان سے مراد، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہیں؛ جو قلبی طور پر سب سے پاکیزہ، علمی طور پر سب سے پختہ اور کم ترین تکلف سے متصف ہیں۔ صحابہ کرام ہی وہ جماعت ہیں، جسے اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ انہی کے طریقہ کار کو اپناؤ کیونکہ وہ سیدھی راہ پر ہیں۔"

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا:

«سَنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُلَاةُ الْأَمْرِ مِنْ بَعْدِهِ سُنَنًا، الْأَخْذُ بِهَا اتِّبَاعٌ لِكِتَابِ اللهِ تَعَالَى...»[3].

"رسول اللہ ﷺ نے ایک طریقہ جاری فرمایا اور آپ کے بعد خلفاء نے بھی اسے اپنایا۔ سنت کے اس طریقہ کار کو اختیار کرنا دراصل کتاب اللہ کی اتباع ہے۔"

لہٰذا اس سنت میں تغیر پیدا کرنا یا اس کے خلاف کسی عمل کا سوچنا، مخلوق میں سے کسی کے لیے روا نہیں ہے۔ چنانچہ جو سنت کی راہ پر چلے گا، وہی ہدایت یافتہ ہوگا اور جو اس سنت کے ذریعہ نصرت چاہے گا، وہی منصور

---

۱ صحیح بخاری: ۲۶۵۲

۲ حلية الأولياء لأبي نعيم الأصفهاني: ۱/ ۳۰۶

۳ الشريعة للآجري (۱/ ۴۰۸): ۹۲

ہو گا اور جو اسے چھوڑ دے گا اور اہل ایمان سے ہٹ کر کسی دوسرے راستہ کو اختیار کرے گا، اللہ عزوجل بھی اس کے اختیار کردہ راستے پر اسے چھوڑ دے گا اور اسے جہنم میں داخل کرے گا، جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے صحیح سند سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لن يصلح أمر آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها[1].

"اس امت کے آخری حصے کی اصلاح بھی، اسی سے ہو گی، جس سے اس کے ابتدائی حصے کی اصلاح ہوئی تھی"۔

اے اہل اسلام!

جو شخص بھی ہمارے سلف صالحین کے منہج پر غور کرے گا، وہ چند قیمتی اصول اور نمایاں اقدار ملاحظہ کرے گا، یہی اقدار اور اصول گویا منہج سلف کی برتر خصوصیات ہیں، جو کسی دوسرے منہج میں موجود نہیں ہیں:

پہلا اصول: توحید خالص کا اہتمام کرنا

منہج سلف کا سب سے پہلا اصول ہے: اللہ ہی کے لیے توحید خالص کا اہتمام کرنا۔ جس کا کوئی شریک ہے، نہ سہیم، کوئی مثیل ہے نہ نظیر! فرمان رب العالمین ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾﴾ [الشوری: ١١]

"اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سب سننے والا اور سب دیکھنے والا ہے"۔

چنانچہ کسی بت کی پوجا نہیں کی جائے گی، نہ کسی قبر کی پرستش ہو گی، نہ کسی مزار کا قصد کیا جائے گا اور نہ تقرب کی غرض سے مردوں کو پکارا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ [الزمر: ٣]

"خبردار! خالص دین صرف اللہ ہی کے لیے ہے"۔

قول و عمل میں اخلاص، توحید کی چوٹی ہے۔ فرمان رب العالمین ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾ [البینة: ٥]

"اور انھیں یہی حکم دیا گیا کہ وہ مخلص اور یکسو ہو کر اللہ ہی کی عبادت کریں"۔

اور مخلص اہل توحید اپنے رب کو آخرت میں کھلی آنکھوں دیکھیں گے؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

1 تفسير المنار: ١/ ٣٢٦

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ [القيامة: ٢٢-٢٣]

"اس روز بہت سے چہرے تر و تازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے"۔

صحیحین میں جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا، لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ[1]

"رسول اللہ ﷺ چاند کی چودھویں رات ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: قیامت کے دن تم اپنے رب کو ضرور دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی"۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اپنے چہرۂ کریم کے دیدار سے نوازیں!

دوسرا اصول: قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا

منہج سلف کے اصول اور اقدار میں سے ایک یہ ہے کہ ہر چھوٹی بڑی چیز میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا؛ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝﴾ [النساء: ٥٩]

"پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت زیادہ اچھا ہے"۔

علمائے سلف کے نزدیک قرآن، اللہ کا نازل کردہ کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا ۝﴾ [الإنسان: ٢٣]

"بے شک ہم نے آپ پر قرآن کو بتدریج نازل کیا"۔

وہ متشابہ کو محکم کی طرف اور مجمل کو مبین کی طرف لوٹاتے تھے۔ نصوص کے ظواہر اور ان کے مقاصد کے درمیان اور عقل ونقل کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتے تھے۔ یہ ان کے منہج کا بنیادی اصول تھا۔ چنانچہ جو نکتہ، قرآن وسنت کے موافق ہوتا اسے مانتے اور جو ان کے خلاف ہوتا اسے رد کر دیتے تھے۔ نہ وہ نص صحیح سے

---

[1] صحیح بخاری: ٧٤٣٦

ہٹتے، نہ ہی اسے خواہش یا عقل سے ٹکراتے اور نہ وحی کی نصوص پر عقل کو حاکم بناتے تھے۔

قرآن و سنت ان کے نزدیک وہی شیریں وادی ہے، جس سے ہر پیاسا سیراب ہوتا ہے اور ہدایت کا ہر طالب ان کی طرف رجوع کرتا ہے تاکہ گمراہی اور بدبختی کا شکار نہ ہو!

كُنْ فِي أُمورِكَ كلِّها متمسِّكًا بالوَحيِ لا بزَخارِفِ الهَذَيانِ

وانصُرْ كِتابَ اللهِ والسننَ التي جاءت عنِ المبعوثِ بالفُرقانِ

"اپنے تمام معاملات میں وحی (قرآن و سنت) کو مضبوطی سے تھامے رہو، نہ کہ لغویات کی ملمع سازی کو۔ اور کتاب اللہ اور سنتوں کی مدد و نصرت کرو، جو فرقان (حق و باطل کے بیچ فیصلہ کرنے والے) نبی ﷺ کے ذریعے پہنچی ہیں"۔

تیسرا اصول؛ علم و معرفت پر متوجہ ہونا

منہجِ سلف کا ایک عظیم اصول، علم اور معرفت پر متوجہ ہونا بھی ہے۔ ہمارے جو طلبہ اپنا تعلیمی سال شروع کر رہے ہیں، انہیں چاہیے کہ علم کی قدر و قیمت کو محسوس کریں۔ اور ہمارے اساتذہ کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے تدریسی فرائض میں اسلامی اقدار اور فکری شعور کے فروغ پر زور دیں۔

چوتھا اصول؛ جماعت اور امامت کو لازم پکڑنا

جماعت اور امامت کو لازم پکڑنا یعنی ان کے احکام سننا اور اطاعت کرنا، یہ سلف صالحین کے منہج کا نمایاں شعار بلکہ اس کا روشن مینار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ [آل عمران: ۱۰۳]

"اور سب مل کر حبل اللہ کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ پڑو"۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "حبل اللہ سے مراد جماعت ہے"[1]۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَنْ تَجْتَمِعَ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ أَبَدًا، فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّ يَدَ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ[2].

---

۱ التفسیر من سنن سعید بن منصور: (۳/ ۱۰۸۴) ۵۲۰

۲ المعجم الکبیر للطبرانی: (۱۲/ ۴۴۷) ۱۳۶۲۳

"میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی؛ چنانچہ تم جماعت کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے"۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

إن الذي تكرهون في الجماعة خير من الذي تحبون في الفُرقة[1].

"بلاشبہ ناپسندیدہ چیزوں کے ساتھ جماعت میں رہنا بہتر ہے کہ تم فرقے میں پڑ کر پسندیدہ چیزیں حاصل کرلو"۔

اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

وَنَرَى الْجَمَاعَةَ حَقًّا وَصَوَابًا، وَالْفُرْقَةَ زَيْغًا وَعَذَابًا[2].

"ہم جماعت کو حق اور درست سمجھتے ہیں جبکہ تفرقے کو گمراہی اور عذاب"۔

اہل اسلام کے حکام اور ائمہ کے لیے دعا کرنا بھی لزوم جماعت میں شامل ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

لو أعلم أن لي دعوة مستجابة لصرفتها للإمام[3].

"مجھے اگر معلوم ہو جائے کہ میری ایک دعا قبول ہوگی، تو میں اسے حاکم کے لیے مخصوص کر دیتا"۔

میرے ایمانی بھائیو! صحیح عقیدہ کے حاملو! واضح منہج کے رکھوالو!

جماعت کی عظمت اور باہمی الفت کو محسوس کرو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ [الأنفال: ٤٦]

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی"۔

یہ ہے اسلاف کا روشن منہج، ان کا درخشاں راستہ، سب سے اعلیٰ طریقہ، نہ حزبیت، نہ عصبیت، نہ فرقہ بندی، نہ مسلک پرستی!

سلف کا منہج اپنی فطرت میں ہمہ وقت تر و تازہ رہنے والا ہے، اس کی بنیاد وہی نظریہ ہے، جو اسلام کے احکام

---

۱ الاعتصام للشاطبی: ۳/ ۲۱۰

۲ متن الطحاوية بتعليق الألباني: ۸۵

۳ دراصل یہ قول فضیل بن عیاضؒ کا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہے: لو كان لي دعوة ما جعلتها إلّا في السلطان. موسوعة مواقف السلف في العقيدة والمنهج والتربية: ۱۰/ ۵۶۰

اور مقاصد کے بالکل مطابق ہے۔ یہ کسی فرد، کسی جماعت یا کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ ایک عالمگیر دعوت ہے، ظاہر و باطن میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے لیے، صحابہ کرام کی اقتدا کے لیے، بدعات و خرافات سے اجتناب کے لیے، نفس پرستوں اور گمراہوں کی مخالفت کے لیے!۔ رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت یہ ہے کہ آپ کی ہدایت اور سنت کی پیروی کی جائے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ [آل عمران: ۳۱]

"کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو، اللہ تعالیٰ خود تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا"۔

تَمَسَّكْ بِحَبْلِ اللهِ وَاتَّبِعِ الْهُدَى ... لَا تَكُنْ بِدْعِيًّا لَعَلَّكَ تُفْلِحُ
وَدِنْ بِكِتَابِ اللهِ وَالسُّنَنِ الَّتِي ... أَتَتْ عَنْ رَسُولِ اللهِ تَنْجُ وَتَرْبَحُ

"اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رہو اور ہدایت کی پیروی کرو اور بدعتی نہ بنو تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔ اللہ کی کتاب اور اُن سنتوں کو دین بناؤ، جو رسول اللہ ﷺ سے آئی ہیں، (اسی سے) نجات پاؤ گے اور فائدہ اٹھاؤ گے"۔

پانچواں اصول: مشاجرات صحابہ کرام پر خاموش رہنا

منہجِ سلف کا ایک عظیم اصول یہ ہے: کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہم راضی رہیں، ان پر طعن نہ کریں، ان کے باہمی معاملات میں خاموش رہیں اور اہلِ قبلہ میں سے کسی کو بھی کبیرہ گناہ کے سبب کافر قرار نہ دیں، جب تک کہ وہ اسے حلال نہ سمجھتا ہو! شاعر نے کہا تھا:

وَقُلْ خَيْرَ قَوْلٍ فِي الصَّحَابَةِ كُلِّهِمْ ... وَلَا تَكُنْ طَعَّانًا تَعِيبُ وَتَجْرَحُ
فَقَدْ نَطَقَ الْوَحْيُ الْمُبِينُ بِفَضْلِهِمْ ... وَفِي الْفَتْحِ آيٌ لِلصَّحَابَةِ تُمْدَحُ

"اور کہو تمام صحابہ کے بارے میں بہترین بات اور طعنہ زن نہ بنو کہ عیب لگاؤ اور زخم پہنچاؤ۔ کیونکہ واضح وحی ان کے فضائل کے ساتھ بول چکی ہے اور سورۂ فتح میں صحابہ کی مدح میں کئی آیات ہیں"۔

خبردار! اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ کے بندو! اور سلف کے منہج کو تھامے رکھو تاکہ کامیاب ہو جاؤ اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں سمیٹ سکو۔

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [الأنعام: ۱۵۳]

"اور یقیناً یہی میرا رستہ ہے، جو سیدھا ہے، لہٰذا اسی راہ پر چلو اور دیگر رستوں پر مت چلو، ورنہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گے۔ اسی کا تمھیں اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو"۔

منہج سلف سے وابستگی میں ہی عافیت ہے۔

اے اہل اسلام!

ہمارے اس زمانے میں، سچ اور جھوٹ خلط ملط ہو گئے ہیں۔ قرآن وسنت اور سلف صالحین کے منہج سے ہٹانے والی چیزیں بہت زیادہ ہو گئی ہیں۔ شبہات، دھوکہ پر مبنی الفاظ اور گمراہ کن اصطلاحات عام ہو چکی ہیں۔ اکثر لوگ صرف ظاہری نمود و نمائش پر اکتفا کر بیٹھے ہیں۔ اس وقت کہ جب سلف کے طریقے پر قائم لوگوں پر طعن و تنقید بڑھ گئی ہے، تب لازم ہے کہ سلف صالحین کے منہج پر جمے رہو۔ باطل کی کثرت دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ اور حق کے راستے پر گامزن تھوڑے مسافروں کو دیکھ کر تنہائی محسوس نہ کرو۔ ان کے اصول و اقدار کو مضبوطی سے تھامے رکھو تاکہ اسلامی اخوت، اسلامی اتحاد قائم ہو، تفرقہ و اختلاف ختم ہو، شدت پسندی، دہشت گردی اور مسلح جدوجہد سے بچا جا سکے! خواہ اس کا نام بغاوت ہو یا انقلاب، یہ امت کو تباہی اور بربادی سے دوچار کرتے ہیں۔ ان کے قائلین، نہ اسلام کو نفع پہنچاتے ہیں، نہ کفر کو نقصان دیتے ہیں، نہ دین کی اصلاح کرتے ہیں اور نہ دنیا باقی رکھتے ہیں!!!

مسئلہ فلسطین اجاگر کرنا وقت کی ضرورت ہے!

ہمیں اس بات پر بھی زور دینا چاہیے کہ مسلمانوں میں باہمی تعاون اور یکجہتی ہو اور ان کے مسائل کو اہمیت دی جائے۔ ان مسائل میں سب سے اہم، فلسطین کا مسئلہ ہے۔ یہ مسلمانوں کا عظیم مسئلہ ہے، اس کی ایک دینی اور تاریخی حیثیت ہے۔ ہم سب پر واجب ہے کہ ان کی مدد کے لیے کوشش کریں اور تمام ممکن اسباب اختیار کریں۔ چنانچہ مہاجرین، محصورین اور بھوک و پیاس کے شکار لوگوں کو سہارا دینا اور ان کی تکلیف دور کرنا ہمارا دینی اور اخلاقی فرض ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ کثرت سے ان کے لیے دعا کریں اور ایک دوسرے کو اس پر ابھاریں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اہل اسلام کے مسائل کی پرواہ نہیں کرتا، وہ ان میں سے نہیں ہے!

آخر پر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حرمین شریفین کو ہمیشہ توحید کا گھر، سنت کا منارہ اور حقیقی سلفیت کا شعار بنائے رکھے۔ دیگر تمام اسلامی ممالک کو ہر قسم کے شر اور نقصان سے محفوظ فرمائے۔ دشمن کی سازشوں اور حملہ آوروں کی برائیوں سے بچائے۔ یقیناً وہ دعا سننے والا، اور وہی قبول کرنے والا ہے!

تراویح میں تکمیل قرآن اور دعا ختم القرآن

ڈاکٹر حافظ طاہر اسلام

فقہاے کرام نے مستحب قرار دیا ہے کہ تراویح میں کم از کم ایک بار قرآن ختم کیا جائے؛ جو اس پر اضافہ کرے، وہ افضل اور بہتر ہے؛ معروف فقہی مسالک کے ائمہ مذہب نے اسی کی تصریح کی ہے۔ امام نوویؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تراویح میں ختم قرآن مستحب ہے اور یہی چاروں مذاہب کے فقہا کی راے ہے۔ اس کی غایت شرعی یہ ہے کہ لوگوں کو پورا قرآن سُنوا دیا جائے۔

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ ہر رکعت میں دس آیات پڑھنا مسنون ہے تاکہ مہینے بھر میں ایک مرتبہ قرآن مکمل ہو جائے، اگرچہ اس سے کم بھی جائز ہے۔ علامہ سرخسیؒ تراویح کی رکعت میں قراءت کی مقدار پر گفت گو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس بارے میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اتنی قراءت ہو جتنی مغرب میں ہوتی ہے تاکہ تخفیف کا پہلو غالب رہے کیوں کہ نوافل کا ہلکا ہونا بہتر ہے۔ یہ بات اس پہلو سے بھی پسندیدہ ہے کہ اس سے قرآن ختم کرنے کی سہولت بھی رہتی ہے اور تراویح میں ختم قرآن سنت ہے۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ ہر رکعت میں بیس سے تیس آیات پڑھی جائیں۔ اس کی بنیاد حضرت عمرؓ سے مروی اس روایت پر ہے کہ انھوں نے تین ائمہ کو بلایا؛ ایک کو ہر رکعت میں تیس آیات پڑھنے کا حکم دیا، دوسرے کو پچیس، اور تیسرے کو بیس آیات۔ حسنؒ، امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ امام ہر رکعت میں دس آیات یا اس کے قریب پڑھے؛ اور یہی زیادہ مناسب ہے کیوں کہ تراویح میں ختم قرآن سنت ہے''۔[1]

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

> ''ہر رکعت میں دس آیات پڑھی جائیں؛ یہی حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا۔ بعض نے کہا ہے

---

1 المبسوط، ۲/۱۴۸

کہ اس میں اتنی قرأت ہو جتنی ہلکی ترین فرض نماز، یعنی مغرب میں ہوتی ہے؛ اور بعض نے کہا کہ عشا کے برابر پڑھی جائے کیوں کہ تراویح عشاہی کے تابع ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر رکعت میں بیس سے تیس آیات پڑھنی چاہئیں جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین ائمہ کو بلایا اور ہر ایک کو مختلف مقدار میں قرأت کا حکم دیا: پہلے کو تیس آیات، دوسرے کو پچیس اور تیسرے کو بیس آیات فی رکعت پڑھنے کا کہا۔ امام ابو حنیفہؒ نے جو مقدار فرمائی، وہ سنت ہے کیوں کہ تراویح میں ایک بار قرآن ختم کرنا مسنون ہے۔ البتہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم فضیلت کے باب سے تھا کہ قرآن دو یا تین بار ختم کیا جائے اور یہ ان کے زمانے میں تھا"۔[1]

ملا علی قاریؒ نے بھی تراویح کے سنت ہونے کی تصریح کی ہے۔[2]

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے:

"تراویح میں قرآن کا ختم سنت ہے؛ ان کے مطابق ہدایہ میں اکثر مشایخ کا قول یہی بتایا گیا ہے؛ کافی میں اسے جمہور کی طرف منسوب کیا گیا ہے"۔[3]

شیخ دردیر مالکیؒ رقم طراز ہیں:

"امام کے لیے مستحب ہے کہ وہ تراویح میں پورے مہینے میں ایک بار قرآن ختم کرے تاکہ مقتدیوں کو مکمل قرآن سنادے؛ اور اگر پورے مہینے میں صرف ایک سورت ہی پڑھی جائے تو وہ بھی کافی ہے، اگرچہ یہ خلافِ اولیٰ ہے"۔[4]

امام خلیل المالکیؒ نے المختصر میں مستحبات کا ذکر کرتے ہوئے تراویح کو بھی ان میں شمار کیا ہے۔

ابن علیشؒ لکھتے ہیں:

"امام کے لیے مستحب ہے کہ پورے رمضان کی تراویح میں پورا قرآن ختم کرے تاکہ مقتدیوں کو

---

۱ بدائع الصنائع، ۱/۲۸۹
۲ مرقاۃ المفاتیح، ۳/۹۷۱
۳ حاشیہ ابن عابدین، ۲/۴۶
۴ الشرح الکبیر، ۱/۳۱۵

مکمل قرآن سنایا جاسکے"۔[1]

امام نوویؒ کے مطابق قرأت کے باب میں مختار اور معمول بہ قول یہی ہے کہ تراویح میں مکمل قرآن پورے مہینے میں ختم کیا جائے۔[2]

شافعی مسلک کی کتاب شرح المحلی علیٰ منہاج الطالبین پر لکھے گئے حاشیہ قلیوبی میں اسنوی سے منقول ہے کہ تراویح بالاجماع سنت ہے؛ اور ابن الصلاح و ابن عبد السلام کا فتویٰ ہے کہ پورے رمضان میں قرآن ختم کرنا اس سے بہتر ہے کہ ہر رکعت میں تین بار سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ لکھتے ہیں:

"تراویح میں پورا مہینا قرآن پڑھنا اس سے افضل ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کو بار بار دہرایا جائے۔ ابن الصلاحؒ کے مطابق ایسا اس لیے ہے کہ یہ سنت سے زیادہ قریب تر ہے"۔[3]

حنبلی فقیہ علامہ مرداویؒ کہتے ہیں:

"امام کے لیے مستحب یہی ہے کہ ایک ختم سے تجاوز نہ کرے، الا یہ کہ مقتدی خود اس کی خواہش کریں؛ اور ایک ختم سے کم بھی نہ ہو۔ مذہبِ حنابلہ میں صحیح قول یہی ہے"۔[4]

علامہ بہوتیؒ کی رائے میں یہ مستحب ہے کہ تراویح میں ایک ختم سے کم نہ کیا جائے تاکہ لوگ پورے قرآن کو سن سکیں۔[5]

شیخ ابن بازؒ نے جبریلؑ کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ دورۂ قرآن سے بھی استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

"اس سے یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ رمضان میں امام کا مکمل قرآن پڑھ کر جماعت کو سنانا بھی اسی مدارسہ (باہمی دَور) کی ایک صورت ہے کیوں کہ اس میں مقتدیوں کے لیے پورے قرآن سے استفادے کا موقع ہے۔ اسی لیے امام احمدؒ کو پسند تھا کہ جو ان کی امامت کرے، وہ ان کے ساتھ قرآن

---

۱ منح الجلیل شرح مختصر خلیل، ۱/۳۴۲

۲ الأذکار، ص ۲۴۳

۳ أسنی المطالب، ۱/۲۰۱

۴ الإنصاف، ۲/۱۸۴

۵ کشاف القناع، ۱/۴۲۸

ختم کرے۔ سلف کو پورے قرآن کے سماع کا جو شغف تھا، یہ اُسی ذوق کی جھلک ہے"۔[1]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے دعاے ختم قرآن کا حکم پوچھا گیا تو فرمایا:

"سلفِ صالحین ہمیشہ سے قرآن ختم کرتے آئے ہیں اور رمضان کی نماز میں دعاے ختم قرآن بھی پڑھتے رہے ہیں؛ ہم نے نہیں سنا کہ اس باب میں ان کے درمیان کوئی اختلاف ہوا ہو"۔

حکومت کویت کے شایع کردہ فقہی انسائیکلوپیڈیا کے اندراج کے مطابق حنابلہ اور احناف کے اکثر مشایخ اس پر متفق ہیں کہ سنت یہی ہے کہ تراویح میں قرآنِ کریم مکمل ختم کیا جائے تاکہ لوگ اس نماز میں پورے قرآن کی سماعت کر سکیں۔[2]

دعاے ختم قرآن

امام ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے المغنی میں ختمِ قرآن کی فصل کے تحت لکھا ہے:

"فضل بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا: میں قرآن ختم کروں تو کیا وتر میں کروں یا تراویح میں؟ فرمایا: تراویح میں کرو تاکہ ہمارے لیے دو رکعتوں کے درمیان دعا کا موقع ہو۔ میں نے عرض کیا: کیسے کروں؟ فرمایا: جب آخری آیت پوری کر لو تو رکوع سے پہلے ہاتھ اٹھاؤ اور نماز ہی میں ہماری دعا کرواؤ اور قیام کو طویل رکھو۔ میں نے پوچھا: کس چیز کی دعا کروں؟ فرمایا: جو چاہو! چناں چہ میں نے ویسا ہی کیا اور امام احمدؒ میرے پیچھے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ بلند کیے ہوئے دعا کرتے رہے"۔

حنبل کہتے ہیں کہ میں نے ختمِ قرآن کے متعلق امام احمدؒ سے سنا:

"جب سورۂ ناس ختم کر لو تو رکوع سے پہلے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ۔ میں نے پوچھا: اس بارے میں آپ کے موقف کی بنیاد کیا ہے؟ فرمایا: میں نے اہلِ مکہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور سفیان بن عیینہؒ بھی مکہ میں ان کے ساتھ مل کر یہی کرتے تھے۔ عباس بن عبد العظیم کہتے ہیں: ہم نے بصرہ اور مکہ میں لوگوں کو یہی کرتے دیکھا ہے۔ اہلِ مدینہ بھی اس بارے میں کچھ نہ کچھ روایت کرتے ہیں اور اس کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے"۔[3]

---

۱ مجموع فتاوی ابن باز، ۱۵/۳۲۴

۲ الموسوعة الفقهية، ۲۷/۱۴۸

۳ المغنی، ۲/۱۲۶

مولانا اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" میں
فکری تضادات و تناقضات
قسط ۴

پروفیسر محمد رفیق

۱۳۔ کیا ائمہ اربعہ کا اتفاق رائے دین میں حجت ہے؟

صاحب "تدبر قرآن" کے فکری تضادات میں یہ بھی ہے کہ وہ کبھی تو ائمہ اربعہ کے متفقہ فقہی مسائل کو دین میں حجت اور واجب العمل قرار دیتے ہیں اور کبھی اس کا صاف انکار کر دیتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کی متفقہ فقہی آراء کو دین میں حجت اور واجب العمل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک انطباق تو وہ ہے جس پر خلفائے راشدین اپنے دور کے اہل علم و تقویٰ کے مشورے کے بعد متفق ہو گئے ہیں۔ یہ اسلام میں اجماع کی بہترین قسم ہے اور یہ بجائے خود ایک شرعی حجت ہے۔ اسی طرح ایک انطباق وہ ہے جس پر ائمہ اربعہ متفق ہو گئے ہیں۔ یہ اگرچہ درجے میں پہلی قسم کے اجماع کے برابر نہیں ہے، تاہم چونکہ یہ اُمت من حیث الامر ان ائمہ پر متفق ہو گئی ہے، اس وجہ سے ان ائمہ کے کسی اجماع کو محض اس دلیل کی بنا پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ معصوم نہ تھے۔ یہ معصوم تو بے شک نہ تھے لیکن ان کے معصوم نہ ہونے کے معنی ہر گز یہ نہیں ہیں کہ کسی امر پر ان کا اتفاق دین میں حجت نہ بن سکے"۔[1]

لیکن ائمہ اربعہ کا جو اتفاق ان کے مزاج کے خلاف ہوا اس کا بلا تامل انکار کر دیا، چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ شادی شدہ زانی کے لیے حد رجم کا انکار

شادی شدہ زانی کے لیے حد رجم پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ الفقه على مذاهب الاربعة میں لکھا ہے:

اتفق الأئمة على ان من كملت فيه شروط الإحصان ثم زنا بامرءة قد كملت فيها شروط الاحصان بان كانت حرة، بالغة،عاقلة،مدخولا بها في نكاح صحيح و

---

۱ عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ:۵۸

هي مسلمة، فهما زانيان محصنان يجب على كل واحد منهما الرجم حتى يموت[1].

"ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص میں احصان کی سب شرطیں پائی جائیں اور پھر وہ کسی ایسی عورت سے زنا کا مرتکب ہو جس میں بھی احصان کی تمام شرائط موجود ہوں یعنی وہ آزاد، بالغہ، عاقلہ ہو اور نکاحِ صحیح کے بعد مدخولہ ہو چکی ہو اور مسلمان بھی ہو۔ تو ایسے شادی شدہ زانی مرد اور شادی شدہ زانیہ عورت میں سے ہر ایک کو رجم کرنا واجب ہے۔"

① فقہ کی معروف کتاب بدایۃ المجتہد میں ہے:

فإن الثيب الأحرار المحصنون فإن المسلمين اجمعوا على أن حدهم الرجم[2].

"رہے آزاد شادی شدہ زانی تو بلاشبہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان کی سزا رجم ہے"۔

② الدکتور وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

اتفق العلماء على أن حد الزاني المحصن هو الرجم[3].

"علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ شادی شدہ زانی کے لیے رجم کی حد شرعی ہے"۔

لیکن صاحبِ تدبر قرآن نے ائمہ اربعہ کے اتفاق و اجماع کے برخلاف شادی شدہ زانی کے لیے حدِ رجم کا یہ کہہ کر انکار کیا ہے کہ شادی شدہ زانی کی اصل سزا تازیانہ ہے[4]۔

۲۔ مرتد کے لیے سزائے قتل

ائمہ اربعہ کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ اسلامی شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔

① علامہ عبدالرحمن الجزائریؒ نے لکھا ہے:

واتفق الأئمة الأربعة عليهم رحمة الله تعالىٰ: على أن من ثبت ارتداده عن الإسلام والعياذ بالله وجب قتله، وأهدر دمه[5].

---

۱ الفقه على المذاهب الأربعة لعبد الرحمن الجزيري(م ۱۳۰۶۰):۵/ ۵۷

۲ بداية المجتهد لإبن رشد:۲/ ۴۲۶

۳ الفقه الاسلامي وادلته: ۶/ ۴۰

۴ تدبر قرآن:۵/ ۳۷۴

۵ الفقه على المذاهب الأربعة (۵/ ۳۷۲).....

"ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے، اس کو قتل کرنا واجب ہے اور اس کا خون رائیگاں ہوگا"۔

④ اسلامی فقہ کے اجماعی مسائل پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا 'موسوعۃ الاجماع' میں لکھا ہے:

اتفقوا على أن من كان رجلا مسلما حرا... ثم ارتد الى دين كفر... أنه حل دمه[1].

"اس پر تمام فقہائے اسلام کا اتفاق ہے کہ آزاد مسلمان مرد مرتد ہو جائے تو اس کا خون بہانا جائز ہے"۔

⑤ ڈاکٹر وہبہ زحیلی مرتد کی سزا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقد اتفق العلماء على وجوب قتل المرتد، لقوله صلّى الله عليه وسلم:« مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ »[2] وقوله عليه السلام: « لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ »[3]. وأجمع أهل العلم على وجوب قتل المرتد[4].

"علما کا اس پر اتفاق ہے کہ مرتد کا قتل واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ "جو مسلمان اپنا دین بدل لے، اسے قتل کر دو"۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "کسی مسلمان کا خون حلال اور مباح نہیں ہوتا مگر تین صورتوں میں: ایک یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو، دوسرے یہ کہ وہ کسی جان کا قاتل ہو اور تیسرے یہ کہ وہ دین کو چھوڑ دے (اور) مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے"۔ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مرتد واجب القتل ہے"۔

مذکورہ بالا شرعی دلائل کی تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔

مگر صاحب "تدبر قرآن" مرتد کو واجب القتل نہیں مانتے، وہ صرف مسلح باغی مرتد کو واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ اس طرح وہ ائمہ اربعہ کے اتفاق رائے سے اختلاف کر کے تضاد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

---

۱ موسوعة الإجماع :۱/ ٤٣٦

۲ صحیح بخاری:۳۰۱۷

۳ صحیح مسلم:۲۵/۱۶۷۶

۴ الفقه الإسلامي وأدلته لدكتور وهبة الزحيلي:۷/ ۵۵۸۰

"ارتداد بھی اسی زمرے کا ایک جرم بلکہ بہت بڑا جرم ہے۔ اور اس پر جو سزا ایک اسلامی نظام میں دی جاتی ہے وہ اس بات پر نہیں دی جاتی کہ ایک شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے بلکہ اس بات پر دی جاتی ہے کہ اس نے خدا کی حکومت اور اس کے قانون کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے"۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے بلکہ بغاوت کے جرم کی سزا قتل ہے۔

۳۔ مطلقہ ثلاثہ کا پہلے خاوند سے نکاح کی شرط

اس امر پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ صرف اس صورت میں اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے جب کہ اس کے دوسرے شوہر نے اس سے نکاح کے بعد جماع بھی کیا ہو اور پھر اُسے طلاق دی ہو یا وہ فوت ہو گیا ہو۔ مگر صاحبِ "تدبر قرآن" جماع کی اس شرط کو نہیں مانتے، اس کے بغیر ہی اسے پہلے خاوند سے نکاح کرنے کی اجازت دیتے ہیں[2]۔

۴۔ رہن کا مسئلہ

اس امر پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ سفر و حضر دونوں حالتوں میں مسافر اور مقیم کوئی شے رہن رکھ کر لین دین کر سکتا ہے[3]۔ اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے واضح اور ثابت شدہ عمل پر ہے کہ آپ نے مدینہ میں رہتے ہوئے رہن کے ذریعے یہودی تاجر سے لین دین کیا تھا[4]۔ مگر صاحبِ "تدبر قرآن" صرف سفر کی حالت میں رہن کے معاملے کو جائز مانتے ہیں، لیکن مقیم کے لیے رہن کے ذریعے لین دین کو ناجائز قرار دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"رہی حدیث تو اس سے بھی رہن کے عام جواز پر استدلال کسی طرح صحیح نہیں ہے"۔[5]

۵۔ قتلِ عمد کے مرتکب کے لیے جہنم کی ابدی سزا

اس امر پر نہ صرف ائمہ اربعہ متفق ہیں کہ آخرت میں شرک کے سوا ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے اور یہ کہ

---

۱ تدبر قرآن: ۱/ ۵۹۳، ۵۹۴
۲ ملاحظہ ہو: تدبر قرآن: ۱/ ۵۳۸
۳ موسوعة الاجتماع فی الفقه الاسلامی: ۱/ ۴۵۹
۴ صحیح بخاری: ۲۹۱۶
۵ تدبر قرآن: ۱/ ۶۴۴

کوئی مسلمان جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا، بلکہ اپنے جرائم کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو گا۔ رہا جہنم میں ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہنا تو یہ صرف کفار و مشرکین کے لیے ہو گا۔

مگر صاحبِ "تدبر قرآن" کی رائے یہ ہے کہ قتلِ عمد کا مرتکب مسلمان بھی کفار کی طرح ہمیشہ جہنم ہی میں رہے گا (یہ عقیدہ اہل سنت کے مقابلے میں خوارج کا تھا)۔ وہ لکھتے ہیں:

"جو مسلمان کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس کے لیے عذاب دردناک خدا نے تیار کر رکھا ہے۔ یہاں قتل عمد کے جرم کی جو سزا بیان ہوئی ہے وہ بعینہ وہی سزا ہے جو کٹر کافروں کے لیے قرآن میں بیان ہوئی ہے"۔[1]

۱۳۔ فرشتے حکم شرعی کے مکلف نہیں

ائمہ اربعہ کا اس مسئلے پر اتفاق رائے ہے بلکہ اس پر اجماع امت بھی ہے کہ صرف انسان اور جنات مکلف ہیں اور آخرت میں اپنے اعمال کے جواب دہ ہیں، باقی رہے فرشتے تو وہ انسانوں اور جنات کی طرح عاقل مخلوق تو ہیں لیکن وہ کسی شرعی حکم کے مکلف ہیں نہ آخرت میں جوابدہ ہیں۔ لیکن صاحبِ "تدبر قرآن" نے لکھا ہے:

"قرآن مجید نے مکلف مخلوقات کی حیثیت سے تین مخلوقات کا ذکر کیا ہے۔ فرشتے، جنات اور بنی آدم"۔[2]

یہاں محض صاحبِ "تدبر قرآن" کے تناقضات کو واضح کرنا تھا، ورنہ امت کے ان تمام مجتہدین فقہا اور محققین اہل علم کی متفقہ رائے ہے کہ ائمہ اربعہ کے علم و تقویٰ کے باوصف اور اُن کی جلالت قدر کے باوجود کسی فقہی مسئلے میں ان کا اتفاق رائے نہ تو دین اور اسلامی شریعت میں حجت ہے اور نہ اسے اجماع امت کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاریؒ، امام ابن حزم ظاہریؒ، امام ابن تیمیہؒ اور امام شوکانیؒ جیسے اکابر مجتہدین و فقہا نے سو (۱۰۰) سے زیادہ فقہی مسائل میں ائمہ اربعہ کی متفقہ آراء سے اختلاف کا اظہار کیا ہے۔

۱۴۔ کیا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں ہی رسول تھے؟

تفسیر "تدبر قرآن" میں ایک فکری تضاد یہ بھی ہے کہ اس میں کہیں موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی

---

۱ تدبر قرآن: ۲/ ۳۶۰

۲ تدبر قرآن: ۱/ ۱۶۵

مانا گیا ہے، رسول نہیں مانا گیا۔ اور کہیں اُنہیں موسیٰ علیہ السلام کی طرح رسول قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

① وہ پہلے ہارون علیہ السلام کو صرف نبی مانتے ہوئے سورۃ طٰہٰ (۲۰/۴۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ﴾۔ اگرچہ رسول کی حیثیت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کو حاصل تھی، حضرت ہارون علیہ السلام صرف ایک نبی تھے لیکن یہاں علی سبیل التغلیب دونوں ہی حضرات کے لیے رسول کا لفظ استعمال ہوا ہے"۔[1]

مزید سورہ مریم (۱۹/۵۳) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ فضل خاص بھی ہوا کہ کار نبوت کی انجام دہی میں ان کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا وزیر اور مددگار بنایا اور ان کی یہ مدد محض رضاکارانہ نہیں، خدا کے ایک مامور و مسئول نبی کی حیثیت سے تھی۔ کسی رسول کی مدد کے لیے کسی نبی کا وزیر اور شریک کار کی حیثیت سے مقرر کیا جانا ایک امتیازِ خاص ہے جو حضرات انبیائے کرام کی تاریخ میں حضرت موسیٰ کے سوا اور کسی کے لیے معلوم نہیں"۔[2]

② پھر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کا ذکر نبیوں کی بجائے دو رسولوں کے طور پر کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الفرقان (۲۵/۳۶،۳۵) کی تفسیر کے تحت لکھا ہے:

"اس میں نبی ﷺ کے لیے یہ تسلی ہے کہ جن کے دل مسخ ہو چکے ہوتے ہیں وہ کسی طرح بھی ہدایت قبول نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ دو، دو رسولوں اور ان کے تمام معجزات کی بیک وقت تکذیب کر دیتے ہیں"۔[3]

علماء کرام کے ہاں رسول اور نبی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، دونوں نام ایک دوسرے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، لیکن اصلاحی صاحب نے امت سے ہٹ کر نبی اور رسول کی نئی تعریفات کیں۔ ان کے نزدیک نبی وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی طرف سے ہدایت دیتا ہے تاکہ وہ خود ہدایت یافتہ ہو اور لوگوں کو بھی ہدایت کی راہ بتائے، جبکہ رسول وہ ہوتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی حجت تمام کرتا ہے اور جس قوم میں حجت پوری کر

---

۱ تدبر قرآن: ۵/۵۴

۲ تدبر قرآن: ۴/۶۶۴

۳ تدبر قرآن: ۵/۴۶۷

دیتا ہے تو پھر ان کے لیے دنیا میں عذاب کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کا حضرت ہارون علیہ السلام کو کبھی نبی اور کبھی رسول قرار دینا کھلا تضاد ہے۔

۱۵۔ قدیم عرب ذہین لوگ تھے یا جاہل وحشی؟

تفسیر "تدبر قرآن" میں یہ تضاد بھی موجود ہے کہ ایک جگہ دور جاہلیت کے عربوں کو ذہین تسلیم کیا ہے اور دوسری جگہ انہی کو جاہل وحشی قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً

ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"عرب کے لوگ نہایت ذہین تھے اس وجہ سے وہ کلام کے اندر سے ان تمام اجزا کو حذف کر دیتے تھے جن کو ایک ذہین سامع خود سمجھ لیتا ہے یا اُسے سمجھ لینا چاہیے"۔[1]

مگر دوسری جگہ سورہ بنی اسرائیل (۱۷/۳۱) کی تفسیر کرتے ہوئے انہی ذہین لوگوں کو جاہل اور وحشی قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"جاہل عربوں کی طرح موجودہ زمانے کا متمدن انسان بھی اپنے آپ کو دوسروں کا رازق سمجھ بیٹھا ہے۔ قرآن نے ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ فرما کر اس گمراہی کی اصلاح کی ہے۔ عرب کے وحشی تو اس حقیقت کو سمجھ گئے اور انہوں نے اپنی اصلاح بھی کر لی لیکن اس زمانے کے پڑھے لکھے جناتوں کو کون سمجھائے؟"[2]۔

۱۶۔ نبی پر جادو ہونا

صاحب "تدبر قرآن" میں ایک یہ تضاد بھی شامل ہے کہ وہ ایک جگہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ پر تو کبھی جادو نہیں ہوا، اس حوالے سے آنے والی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ پھر دوسری جگہ وہ یہ اقرار واعتراف بھی کر لیتے ہیں کہ نبی ﷺ پر وقتی اور عارضی طور پر جادو ہو سکتا ہے۔

چنانچہ سورۃ الفلق کے شان نزول کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"یہ سورہ کسی شان نزول کی محتاج تو نہیں ہے لیکن اس کے تحت لوگوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس

---

۱ تدبر قرآن، مقدمہ: ۱/۲۳

۲ تدبر قرآن: ۴/۳۹۹

سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نبی ﷺ پر العیاذ باللہ کچھ یہودیوں نے ایک زمانہ میں جادو کر دیا تھا جس سے آپ بیمار ہو گئے تو آپ کو یہ سورہ سکھائی گئی اور آپ اس جادو کے اثرات بد سے محفوظ ہوئے... میرے نزدیک اس شان نزول کو رد کرنے کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ یہ اس مسلمہ عقیدے کے بالکل منافی ہے جو قرآن نے انبیائے علیہم السلام سے متعلق ہمیں تعلیم دی ہے۔ عصمت، حضرات انبیاء (علیہم السلام) کی ان خصوصیات میں سے ہے جو کسی وقت بھی ان سے متفق نہیں ہو سکتیں۔ اس عصمت کو اس امر سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ نبی ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے، یا وہ زخمی ہو گیا، یا وہ قتل کر دیا گیا۔ ان میں سے کوئی چیز بھی اس کی نبوت میں قادح نہیں ہے کہ اس کو آپ اس امر کی دلیل بنائیں کہ جب نبی ان چیزوں میں مبتلا ہو سکتا ہے تو مسحور بھی ہو سکتا ہے... شان نزول کے اس واقعے کو اگر روایت کے اصولوں پر جانچا جائے تو اس میں نمایاں ضعف موجود ہے"۔[1]

پھر آگے چل کر اسی سورہ کی تفسیر میں موصوف اپنے دعوے کے خلاف لکھتے ہیں:

"صحاح کی کسی روایت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر یہ جادو ہوا تو حضور ﷺ پر اس کا اثر کتنا عرصہ رہا۔ اس کے برعکس ان تینوں کتابوں (بخاری، مسلم اور ابن ماجہ) کی متفق علیہ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حتی اذا کان ذات یوم او ذات لیلة دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم، ثم دعا، ثم دعا. (یہاں تک کہ جب ایک دن یا ایک رات گزر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے پے در پے دعا کی) اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس کا کوئی اثر آپ کی قوت متخیلہ پر پڑا بھی تو وہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی اور یہ اثر جاتا رہا۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بالکل اسی قسم کی بات ہوئی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ سمجھ لیا اور وقتی طور پر گھبرا گئے۔ اس طرح کی کیفیات تھوڑی دیر کے لیے طاری ہو جانا ناممکن نہیں ہوتا۔ یہ کیفیات بطور امتحان بھی نبی کو پیش آسکتی ہیں لیکن ہوتی یہ وقتی اور عارضی ہیں تاکہ نبی کی عصمت مجروح نہ ہو"۔[2]

اس واضح تضاد کو دیکھئے کہ پہلے یہ کہہ کر صحیحین کی روایت کو ضعیف اور عصمت نبوی کے خلاف قرار دیا،

---

۱ تدبر قرآن: ۹/ ۶۶۵، ۶۶۶

۲ تدبر قرآن: ۹/ ۶۶۶

پھر یہ ان ساری باتوں کا امکان مان بھی لیا کہ اس سے نبی کی عصمت مجروح نہیں ہوتی۔

۱۷۔ تفسیر تدبر قرآن کی تیاری کی مدت میں تضاد

اصلاحی صاحب صرف فکر اور عمل میں ہی نہیں بلکہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی تضادات کا شکار ہیں۔ تفسیر "تدبر قرآن" کی تیاری کی مدت میں بھی تضاد پایا جاتا ہے، یک جگہ پر چالیس (۴۰) سال اور دوسری جگہ پر پچپن (۵۵) سال ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلے تو اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:

"میں بلا کسی شائبہ فخر کے محض بیان واقعہ کے طور پر، عرض کرتا ہوں کہ یہ کتاب میری چالیس سال کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنی جوانی کا بہترین زمانہ اس کتاب کی تیاریوں میں بسر کیا ہے اور اب اپنے بڑھاپے کی ناتوانیوں کا دور اس کی تحریر و تسوید میں بسر کر رہا ہوں"۔[1]

پھر آخری جلد ۹ میں لکھا ہوا ہے کہ:

"اس کتاب کی تحریر کا کام تو جیسا کہ عرض کیا گیا ۱۹۵۸ء میں شروع ہوا، لیکن اس کے لیے فکری تیاریوں میں ۱۹۲۵ء ہی سے میں لگ گیا تھا۔ یہی سال ہے جس میں مجھے مولانا فراہی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا جس کا سلسلہ پورے پانچ سال قائم رہا۔ اس کے بعد سے قرآن مجید میرے غور و فکر کا مستقل موضوع بن گیا۔ اس پہلو سے دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ یہ کتاب میری پچپن سال کی کاوشوں کا نچوڑ ہے"۔[2]

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

خریدارانِ محدث توجہ فرمائیں!
دسمبر ۲۰۲۵ سے جن حضرات کا زرسالانہ ختم ہو چکا ہے ان سے گزارش ہے کہ زرتعاون بھیج کر تجدید کروائیں مارچ ۲۰۲۶ء تک تجدید نہ ہونے کی صورت میں ان کے نام ترسیل بند کر دی جائے گی۔ مدت خریداری ختم ہونے کی اطلاع لفافے پر چسپاں شدہ ایڈریس میں کی گئی ہے۔

۱ تدبر قرآن، مقدمہ: ۱/ ۴۱
۲ تدبر قرآن، دیباچہ، طبع اول: ۹/ ۷

غامدی صاحب کے اصول تفسیر قسط نمبر ۱

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

قرآن مجید، اسلامی شریعت کی اساس و بنیاد ہے، جو عربی مبین میں فصیح ترین لہجہ میں نازل ہوا ہے، جو بات بھی کہتا ہے کھل کر اور واضح انداز میں کہتا ہے، لیکن انسانی کلام کی بجائے رحمانی کلام ہے، دوسرا وہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے رہنمائی ہے، اس لیے وہ ایسے الفاظ و جمل اور انداز استعمال کرتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ بھی حل ہو جائے اور بعد میں پیش آمدہ مسائل کی تفہیم میں بھی اس سے استفادہ کیا جاسکے۔ یہ اعزاز صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ اپنے لغوی معانی، اصطلاحی تفہیم اور شرعی نقطہ نظر کو واضح کرتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی لفظ مختلف جہتوں سے مختلف معانی دیتا ہے اور ہر معنی اپنے محل میں بالکل فٹ بیٹھتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس کا مفسر و شارح بنا، فرمایا: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ [النحل: ٤٤] "اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے واضح کریں جو ان کی طرف نازل ہوا ہے"۔ اس لیے خود رسول اللہ ﷺ بھی قرآن مجید کی تفسیر و تشریح فرماتے تھے اور بعض دفعہ صحابہ کرام کو عربی النسل ہونے کے باوجود فہم قرآن میں رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی لینے کی ضرورت پڑ جاتی تھی۔ بعد میں جس طرح دوسرے علوم مدون ہوئے اسی طرح اصول تفسیر بھی مدین کیے گئے، ان میں حدیث رسول کو اولین بلکہ فائنل اتھارٹی حاصل تھی۔ خیر ون القرون میں علماء تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں تھا، بعد میں جب فرقوں کا ظہور شروع ہوا تو ہر فرقے نے اپنے اپنے نظریات کے تحفظ کے لیے ایک طرف حدیث کے تفسیری ذخیرے کا انکار کیا اور دوسری طرف اپنے من پسند اصول تفسیر کو ترتیب دینا شروع کیا۔ ایسے ہی ایک نظریے کے موجد ہندوستان کے مولانا عبد الحمید فراہی ہو گزرے ہیں، جنہوں نے فہم قرآن کے لیے حدیث رسول کے بالمقابل دور جاہلیت کی شاعری کو اولین مأخذ قرار دیا، ان کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی نے انہی اصولوں کی روشنی میں تفسیر "تدبر قرآن" تحریر کی۔ ان کے شاگرد جاوید احمد غامدی نے انہی اصولوں کی توضیح و تنقیح کر کے پیش کیا ہے اور ان کی روشنی میں "البیان" کے نام سے ایک تفسیر لکھی ہے۔

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر جو غامدی صاحب کے افکار و نظریات پر ایک مفصل اور ضخیم کتاب لکھ چکے ہیں، اب انہوں نے غامدی صاحب کے اصول تفسیر پر قلم اٹھایا ہے، جسے ہم قسط وار ماہنامہ محدث میں ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ ادارہ

پہلا اصول: عربی معلیٰ

جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنی کتاب "میزان" میں "مبادی تدبر قرآن" کے عنوان سے دس اصول تفسیر بیان کیے ہیں؛ عربی معلیٰ، زبان کی امانت، اسلوب کی ندرت، میزان اور فرقان، کتاب متشابہا، دین کی آخری کتاب، پیغمبر کی سرگذشت انذار، نظم کلام، سبع مثانی اور تاریخ کا پس منظر۔ ہم اپنے سلسلہ وار مضمون میں غامدی صاحب کے ان اصول تفسیر کی تحلیل و تجزیہ پیش کریں گے۔ اس سلسلے کی پہلی قسط میں غامدی صاحب کے تدبر قرآن کے پہلے اصول "عربی معلیٰ" پر بحث کی گئی ہے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"اس لیے اس کتاب کا فہم اب اس زبان کے صحیح علم اور اس کے صحیح ذوق ہی پر منحصر ہے، اور اس میں تدبر اور اس کی شرح و تفسیر کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی اس زبان کا جید عالم اور اس کے اسالیب کا ایسا ذوق آشنا ہو کہ قرآن کے مدعا تک پہنچنے میں کم سے کم اس کی زبان اس کی راہ میں حائل نہ ہو سکے"۔[1]

غامدی صاحب اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ عربی معلیٰ سے ان کی مراد عربی لغات، اسلامی دور کی نثر و شاعری اور جدید زمانے کی عربی نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ حقیقت تو اِس سے زیادہ وضاحت کی محتاج نہیں، لیکن اِس زبان کے بارے میں یہ بات، البتہ اِس کے ہر طالب علم کو پوری وضاحت کے ساتھ سمجھ لینی چاہیے کہ یہ وہ عربی نہیں ہے جو حریری و متنبی اور زمخشری و رازی نے لکھی ہے یا اِس زمانے میں مصر و شام کے اخبارات میں شائع ہوتی اور اُن کے ادیبوں اور شاعروں کے قلم سے نکلتی ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی عربی ہی ہے، لیکن وہ عربی جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور جسے بجا طور پر عربی معلیٰ کہنا چاہیے، اُس میں اور اِس زبان کے لب و لہجہ، اسلوب و انداز اور الفاظ و محاورات میں کم و بیش وہی فرق ہے، جو مثال کے طور پر، میر و غالب اور سعدی و خیام کی زبان اور ہمارے اِس زمانے میں ہند و ایران کے اخبارات و جرائد کی اردو اور فارسی میں ہے۔ لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ اِس سے قرآن کی زبان کا کوئی ذوق نہ صرف یہ کہ پیدا نہیں ہوتا، بلکہ الٹا یہ اُس سے بے گانہ کر دیتی ہے اور اگر اِسی کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا جائے تو قرآن مجید کے فہم سے بسا

---

1 غامدی، جاوید احمد، میزان، المورد، لاہور، ۲۰۱۴، ص ۱۶

اوقات آدمی بالکل محروم ہو جاتا ہے"[1]۔

واضح رہے کہ غامدی صاحب، غلام احمد پرویز سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے بقول غلام احمد پرویز سے اُن کا اختلاف فروعی نہیں، اصولی نہیں بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر فکر کے بنیادی مآخذ کا اختلاف ہے۔ امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کے بقول جس عربی زبان کو سامنے رکھ کر غلام احمد پرویز قرآن کی تفسیر کیا کرتے ہیں، وہ انہوں نے گھر میں بیٹھ کر بنائی تھی۔[2] اب سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک اُس عربی معلی کے مآخذ کون سے ہیں کہ جس کی روشنی میں قرآن مجید پر تدبر ہو گا؟ غامدی صاحب کے بقول عربی معلی کے مآخذ تین ہیں؛ قرآن، حدیث نبوی و آثار صحابہ اور ادب جاہلی۔ اب ہم اس پر ایک ایک کر کے گفتگو کرتے ہیں۔

پہلا ماخذ: قرآن مجید

بلاشبہ قرآن فہمی و تدبر قرآن کا پہلا مصدر و ماخذ خود قرآن ہی ہے۔ اہل علم نے علوم قرآن، اصول تفسیر، قواعد تفسیر اور تفاسیر کے مقدمات میں اس اصول کو بیان کیا ہے کہ قرآن کا بعض، بعض کی تفسیر کرتا ہے اور یہ ان کے ہاں متفق علیہ اصول ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«أجمع أهل التأويل من السلف إلى الخلف أن القرآن يفسر بعضه بعضاً»[3]

"سلف سے لے کر خلف تک تمام اہل تفسیر کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن، خود قرآن کی تفسیر کرتا ہے (یعنی قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی وضاحت کرتا ہے)"۔

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کے باب میں مکتب فراہی کی خدمات اہل روایت کی نسبت کافی کم ہیں۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی مجموعہ تفاسیر فراہی، مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کی تدبر قرآن اور جاوید احمد غامدی صاحب کی البیان دیکھ لیں، آپ کو قرآن کی کسی آیت کی تفہیم میں قرآن مجید کے

---

۱ میزان، ص ۱۶

۲ Title: Ghulam Ahmed Pervez, Bunyadi Ikhtilaf-Javed Ahmed Ghamidi, Channel: Ghamidi Center Of Islamic Learning, URL: https://www.youtube.com/watch?v=o۷N۷pvOAgKM , Timings: ۲۸:۰۰-۳۴:۰۰, Date Accessed: ۱۰ November, ۲۰۲۵.

۳ مفردات القرآن للفراهي: ص ۲۹

دوسرے مقامات سے استشہاد کم نظر آتا ہے۔ اس باب میں اگر کوئی کام دیکھے جانے اور سراہے جانے کے لائق ہے تو وہ امام راغب متوفی ۵۰۲ھ رحمہ اللہ کی المفردات في غريب القرآن ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے قرآن مجید کے ۱۵۸۹ مادوں پر بحث کی ہے جبکہ قرآنی الفاظ کی تعداد کہ جن کے معانی و مفاہیم بیان کیے ہیں، اس سے کئی گنا ہے۔ اس کے برعکس مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی مفردات القرآن میں ۱۲۱ الفاظ قرآنی کے بارے بحث موجود ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کا منہج یہ ہے کہ الفبائی ترتیب پر پہلے ایک مادے (root word) کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر اس کی وہ تمام صور (forms) جو قرآن مجید میں نقل ہوئی ہیں، انہیں آیات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ پھر ان آیات کی روشنی میں اس مادے کا ایک مرکزی معنی و مفہوم متعین کرتے ہیں کہ جسے وہ اصل معنی کہتے ہیں۔ اور پھر اس اصل معنی کی روشنی میں قرآن مجید کی آیات کو واضح کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس معاملے میں وہ کسی قدر ابن فارس متوفی ۳۲۹ھ رحمہ اللہ کے منہج سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ امام راغب اور ابن فارس کے منہج میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ابن فارس اپنی کتاب مقاييس اللغة میں اصل معنی ایک سے زائد بھی بنا لیتے ہیں جبکہ امام راغب کے نزدیک اصل معنی ایک ہی رہتا ہے۔ اس پہلو سے امام راغب کی کتاب ایک شاہکار تصنیف ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ امام راغب کی توجہ قرآن مجید کی زبان پر ہے جبکہ ابن فارس کا موضوع لغت عرب ہے۔ امام راغب کی المفردات فی غریب القرآن، قرآن مجید کی عربی معلی کو، خود قرآن ہی سے سمجھنے کے لیے ایک بے مثال مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

رہا مکتب فراہی کا معاملہ تو وہ قرآن فہمی میں قرآن کے کسی لفظ کے نظائر، قرآن ہی سے تلاش کرنے یا سمجھنے کے منہج کو نظر انداز کر جاتے ہیں یعنی اپنے ہی اصول کی مخالفت کر جاتے ہیں۔ مثال کے طور سورۃ لہب کی تفسیر میں مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> "(ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے) نہ تو بد دعا ہے اور نہ اس میں کوئی پہلو ہجو اور مذمت کا ہے بلکہ ابولہب کا ذکر کنیت کے ساتھ کیا گیا ہے، جس سے عزت و احترام کا پہلو نکلتا ہے، اس لیے اس آیت کی ظاہر تاویل یہ ہے کہ یہ دشمنان خدا کے سرغنہ اور قریش کے فرعون کی ہلاکت کی بشارت ہے۔ اسی طرح (نہ اس کا مال کام آیا اور نہ اس کی کمائی) بھی ایک پیشین گوئی ہے جس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے ابولہب کو اس امت کا فرعون کیوں کہا، حالانکہ آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہ کی مخالفت میں ابولہب کی سرگرمیاں ابوجہل اور ابوسفیان کی سرگرمیوں اور صف

آرائیوں کے مقابل میں کوئی وزن نہیں رکھتی ہیں؟"[1]۔

مولانا کے اس اقتباس میں ابو جہل کے ساتھ ابو سفیان کا نام جمع کرنے کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ مولانا کے علم میں یہ بات نہ آسکی ہو کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے ہم ایک وضاحت کر دیں کہ جب ہم غامدی صاحب کے مبادی تدبر قران کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں تو یہاں فراہی صاحب کا حوالہ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ غامدی صاحب اصول و فروع میں اپنی نسبت مکتب فراہی کی طرف کرتے ہیں۔ اور فراہی صاحب کے شاگرد اصلاحی صاحب، اور اصلاحی صاحب کے شاگرد غامدی صاحب نے بھی ان کی تقلید میں اس سورت کے یہی معانی و مفاہیم بیان کیے ہیں جیسا کہ آگے چل کر ہم نقل کر رہے ہیں۔ لہٰذا فراہی اور اصلاحی صاحب کے حوالہ جات اس لیے ساتھ میں نقل ہو رہے ہیں تا کہ غامدی صاحب کی فکر کے بنیادی مصادر یا پورے مکتب فراہی پر بھی تبصرہ ہو جائے۔ غامدی صاحب کا خیال ہے کہ اصل فکر اور دلیل تو ان کے استاذ امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ اور ان کے بھی استاذ حمید الدین فراہی رحمہ اللہ پیش کر گئے ہیں، وہ تو محض ان کے خلاصے نقل کر رہے ہیں۔ غامدی صاحب اپنی کتاب میزان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"اِس کی ہر محکم بات کو پروردگار کی عنایت اور میرے جلیل القدر استاذ امام امین احسن اصلاحی کے رشحات فکر سے اخذ و استفادہ کا نتیجہ سمجھیے"۔[2]

مولانا فراہی کی طرح مولانا اصلاحی اور غامدی صاحب بھی سورۃ لہب کی پہلی آیت کو ابو لہب کی مذمت اور ہجو شمار نہیں کرتے بلکہ اسے دین اسلام کے غلبہ اور آپ علیہ السلام کے دشمنوں کے خاتمے کی پیشین گوئی سمجھتے ہیں۔ مولانا فراہی کے نقش قدم پر مولانا اصلاحی بھی سورہ لہب کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"یہاں ایک سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ ابو لہب کے اقتدار کے زوال کی پیشین گوئی کے لیے تو ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝﴾ کے الفاظ بظاہر بالکل کافی ہیں، پھر اس کے بعد ﴿وَّ تَبَّ﴾ کا لفظ لانے کا کیا خاص فائدہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ٹکڑے میں اس کی سیاسی قوت کے ٹوٹ جانے کی پیشین گوئی ہے اور اس کے دوسرے میں اس کی اپنی ذات کے خاتمہ کی طرف اشارہ ہے"۔[3]

---

۱ مجموعہ تفاسیر فراہی، ص ۴۸۷

۲ دیباچہ، میزان، ۲۰۱۴ء

۳ امین احسن اصلاحی، مولانا، تدبر قرآن، ۹/ ۶۳۴، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

جاوید احمد غامدی صاحب سورہ لہب کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"یعنی اس کے اعوان و انصار ہلاک ہوئے اور اس کا اقتدار ختم ہو گیا۔ اس مفہوم کے لیے یہ تعبیر اردو زبان میں بھی موجود ہے"[1]۔

غامدی صاحب کے مبادی تدبر قرآن کے اصول کے مطابق عربی معلی میں سب سے پہلے قرآن مجید ہے، پھر احادیث و آثار اور پھر ادب جاہلی۔ اب فراہی صاحب، نہ اصلاحی صاحب اور نہ ہی غامدی صاحب نے قرآن مجید کے نظائر سے اس محاورے کا معنی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر وہ ایسا کر لیتے تو شاید انہیں ایسی تفسیر کرنے کی نوبت ہی پیش نہ آتی۔ سورہ لہب کی پہلی آیت میں دو بنیادی الفاظ کو سمجھنا ضروری ہے۔ ایک تو ابو لہب کے دو ہاتھ اور دوسرا لفظ "تب" کہ جس کا مادہ "ت-ب-ب" ہے۔ قرآن مجید کے محاورے میں دونوں ہاتھوں کا ذکر، ان ہاتھوں سے کیے جانے والے اعمال کے ذیل میں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ﴾[الحج: ١٠] اور ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ﴾ [الكهف: ٥٧] اور ﴿يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ﴾[النبأ: ٤٠] اور ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾[المائدة: ٦٤] اور ﴿قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ [ص: ٧٥] اور ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ [الروم: ٤١]۔ اس کے علاوہ بھی بیسیوں آیات ہیں جو اس معنی و مفہوم پر شاہد ہیں۔ اس آیت مبارکہ کی تفہیم میں دوسرا اہم لفظ ﴿تَبَّ﴾ ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں خسارے اور ہلاکت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ﴿وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ﴾[غافر: ٣٧] اور ﴿فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ﴾[هود: ١٠١] میں ہے۔ پس پہلی آیت کا معنی و مفہوم یہ ہوا کہ ابو لہب کے اعمال ضائع ہوں اور وہ خود بھی ہلاک ہو۔

یہ بھی یاد رہے کہ مکتب فراہی کا ایک اہم اصول نظم قرآن کا بھی ہے۔ اس اصول کے مطابق قرآن کے کسی لفظ کو اس کے سیاق و سباق میں رکھ کر سمجھنا ضروری ہے جیسا کہ وہ کسی جملے اور پیراگراف میں استعمال ہو رہا ہوتا ہے نہ کہ اسے ایک مفرد لفظ کی طرح دیکھنا جیسے کہ وہ کسی لغت میں اکیلا پڑا ہوتا ہے۔ سورہ لہب کی دوسری آیت بھی پہلی آیت کے اِس معنی و مفہوم پر مہر ثبت کر دیتی ہے کیونکہ اس میں بھی ابو لہب کے اعمال

---

1 غامدی، جاوید احمد، البیان، ۵/ ۵۶۲، جولائی ۲۰۱۸ء، المورد، لاہور

کے ضیاع کا بیان ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَآ اَغۡنٰی عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝﴾ [المسد: ٢]۔ پس قرآن ہی کی عربی معلی اور نظم کلام کی روشنی میں اس آیت کا معنی و مفہوم یہ ٹھہرتا ہے کہ ابو لہب کے اعمال ضائع ہوں اور وہ ہلاک ہو۔ یہ ابو لہب کے حق میں ایک بد دعا اور اس کی مذمت و ہجو ہے کہ جس کا انکار پورا مکتب فراہی کر رہا ہے۔

ہمیں غامدی صاحب سے اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ قرآن مجید پر غور و فکر کرتے ہوئے سب سے پہلے خود قرآن ہی کی طرف دیکھنا چاہیے لیکن ہمیں شکوہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہی اس اصول پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔

رہا عربی معلی کا دوسرا مصدر یعنی احادیث و آثار تو وہ بھی اسی معنی کی تائید کر رہے ہیں جو معنی قرآن کی عربی معلی اور نظم کلام سے واضح ہو رہا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ علیہ السلام پر ﴿وَ اَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ۝﴾ [الشعراء: ٢١٤] نازل ہوئی تو آپ علیہ السلام نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کے قبائل کو ایک ایک کر کے پکارا۔ جب وہ جمع ہو گئے تو آپ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ پہاڑی کی دوسری طرف سے دشمن کا لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات کا اعتبار کرو گے؟ تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے آپ (علیہ السلام) کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ اس پر آپ علیہ السلام نے کہا کہ میں تمہیں ایک شدید عذاب سے ڈرا رہا ہوں۔ اس پر ابو لہب نے کہا:

تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا، فَنَزَلَتْ: ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغۡنٰی عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝﴾[1]

"ابو لہب نے آپ علیہ السلام کو «تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا» کہا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغۡنٰی عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝﴾"۔

اور یہی معنی سلف صالحین کے آثار سے بھی ثابت ہے۔ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

عن قتادة: ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝﴾ قال: خَسِرت يدا أبي لهب وخَسِر.[2]

"قتادہ سے مروی ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ابو لہب کے دونوں ہاتھ خسارے میں رہے اور وہ خود بھی خسارے میں رہا"۔

---

١ صحیح بخاری: ٦/ ١١١، الطبعة السلطانية، مصر

٢ تفسير الطبري: ٢٤/ ٧١٥

مولانا فراہی لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے بقول رسول اللہ ﷺ کے اخلاق اتنے اعلیٰ ہیں کہ آپ علیہ السلام سے بعید تر ہے کہ آپ اپنے چچا کو بددعا دیں یا اس کی مذمت کریں۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ صحیح ہے کہ ابولہب نے ذات رسالت کی شان اقدس میں نہایت سفیہانہ اور گستاخانہ الفاظ استعمال کیے تھے لیکن قرآن مجید جاہلوں سے درگزر کرنے اور ان سے عمدہ وشائستہ لب ولہجے میں خطاب کرنے کی تعلیم دیتا ہے... پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ آپ علیہ السلام اس اعلیٰ اور پاکیزہ روش کو چھوڑ کر کوئی اور روش اختیار فرماتے"۔[1]

ایک طرف تدبر قرآن کی دعوت اور دوسری طرف کتنی سامنے کی بات کو فراہی صاحب نظر انداز کر رہے ہیں کہ ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝﴾ نبی کریم ﷺ کا کلام نہیں بلکہ اللہ عزوجل کا کلام ہے۔ اور یہ اُس اللہ عزوجل کا کلام ہے کہ جس نے یہ کلام بھی فرمایا ہے: ﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝﴾ [القلم: ۱۰-۱۳] اور ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝﴾ [البقرة: ۱۶۱] اور ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝﴾ [المائدة: ۶۰]

رہا عربی معلی کا تیسرا مصدر یعنی ادب جاہلی تو اس سے مولانا فراہی نے اپنی وضاحت کے حق میں ایک شعر نقل کیا ہے لیکن وہ شعر بھی اپنے صحیح محل ومقام پر نہیں ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"عربی زبان میں تبت یداہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مقابلہ کرنے سے عاجز ہو گیا۔ کیونکہ کسر ید (ہاتھ توڑ دینا) کسی کا زور توڑ دینے اور اس کو عاجز کر دینے کی ایک تعبیر ہے۔ فند الزمانی کا شعر ہے: وترکنا دیار تغلب وکسرنا من الغواۃ الجناحا۔ (ہم نے تغلب کی سرزمین کو چٹیل میدان بنا کے چھوڑ دیا، اور ان کے سرکشوں کے بازو توڑ ڈالے)"۔[2]

سورۃ لہب کی تفسیر میں ادب جاہلی سے جو ایک عدد شعر پیش کیا گیا ہے، اس میں تبت کا لفظ بھی نہیں ہے

---

۱ مجموعہ تفاسیر فراہی: ۴۹۳-۴۹۴

۲ مجموعہ تفاسیر فراہی: ص ۴۸۶

اور ید کا لفظ بھی نہیں ہے بلکہ تبت کی جگہ کسر کا لفظ ہے اور ید کی بجائے جناح کا لفظ ہے جو پرندے کے پَر کو کہتے ہیں۔ شعر میں تو تبت ید کی بجائے کسر جناح کی بات ہو رہی ہے۔ سامنے کی بات ہے کہ پرندے کا پَر توڑنا اس کی قوت پرواز توڑنے کے مترادف ہے لہٰذا عربی زبان میں "کسر جناح" کی ترکیب کسی کی قوت توڑنے کے معنی میں استعمال ہو جاتی ہے، بس اس حد تک یہ مفہوم اس شعر سے ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن عرض یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں موجود نہ تو لفظ ید کا معنی جناح ہے اور نہ ہی لفظ تب کا معنی کسر ہے۔ اہم بات یہ بھی ہے کہ آیت مبارکہ میں ہاتھ یا ہاتھوں کا نہیں بلکہ دو ہاتھوں کا ذکر ہے یعنی صیغہ مفرد یا جمع کا نہیں بلکہ تثنیہ کا ہے۔ دو ہاتھوں سے مراد ایسا عمل ہو سکتا ہے جو انسان دونوں ہاتھوں سے کرتا ہے جیسا کہ نیکی کے اعمال۔ اور بنو ہاشم حاجیوں کو پانی پلانے کا کام کرتے تھے، یہ بات تاریخ میں اظہر من الشمس ہے۔ تو جیسے ہی ابو لہب نے آپ علیہ السلام کو بد دعا دی اور آپ علیہ السلام کی ہجو کی تو قرآن مجید نے بدلے میں اسے یہ خوشخبری سنائی کے اس کے تمام اعمال اکارت گئے اور وہ خود بھی ہلاکت کا شکار ہوا۔

مذکورہ بالا صحیح بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورہ لہب آپ علیہ السلام کی دعوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی جبکہ مکتبِ فراہی کا اصرار یہ ہے کہ یہ سورہ مبارکہ آپ علیہ السلام کی ہجرت کے وقت نازل ہوئی تھی۔ ان کا یہ اصرار کیوں ہے، اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہی وہ بنیادی کنجی ہے کہ جس کو جان کر آپ کو معلوم ہو گا کہ مکتبِ فراہی میں قرآن مجید کے غریب اور شاذ معانی کے بیان پر اس قدر زور کیوں صَرف کیا جاتا ہے جبکہ ان کے بیان کردہ معانی خود قرآن مجید، احادیث و آثار اور ادب جاہلی کی عربی سے بھی متضاد ہوتے ہیں۔ فہم قرآن میں مکتب فراہی کی اصل بنیاد ان کی قرآن مجید کی سورتوں کی گروپس اور جوڑوں میں الل ٹپ تقسیم ہے کہ جس پر تفصیلی بحث اس سلسلہ وار مضمون میں آگے آئے گی، ان شاء اللہ۔ قرآن در اصل انسان کے جذبات کو مَس کر کے اس میں ایمان کی شمع روشن کرتا ہے نہ کہ اس کی عقل کی تسکین کے رستے اسے خدا تک پہنچاتا ہے۔ ہماری نظر میں مکتب فراہی کی اصل خرابی یہی ہے کہ وہ قرآن کی اپیروچ کو سمجھنے میں غلطی کھا گئے ہیں۔ انہوں نے قرآن کو انسانی عقل کو تسکین فراہم کرنے والا ایک فلسفیانہ نظام سمجھ لیا ہے نہ کہ انسانی جذبات کو مَس کرنے والا معجزانہ خطاب۔ جاوید احمد غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> اللھب – الاخلاص: یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون میں توأم ہیں۔ پہلی سورہ قریش کے ائمہ کفر کی ہلاکت اور دوسری رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اُس عقیدے کا فیصلہ کن اعلان ہے جس کے منکرین کے لیے ہلاکت کی یہ پیشین گوئی کی گئی ہے۔۔۔ اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہجرت و براءت اور فتح و نصرت کی

بشارت کا جو مضمون الماعون اور الکوثر سے شروع ہوا تھا، وہ ان سورتوں میں اتمام کو پہنچ گیا... دونوں سورتوں میں روئے سخن قریش کی طرف ہے اور اِن کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مرحلہ ہجرت و براءت کے خاتمے پر نازل ہوئی ہیں۔[1]

پس مکتب فراہی قرآن مجید کو سات گروپوں، سورتوں کے جوڑوں اور ذیلی مضامین میں تقسیم کر کے ایک وحدت کے طور دیکھتا ہے۔ اور پھر قرآن مجید کے جو معانی اس وحدت کے مطابق ہوں تو ان کو قبول کرتا ہے، ورنہ رد کر دیتا ہے، بھلے وہ خود قرآن سے ظاہر و باہر ہو، یا احادیث و آثار میں صراحت سے مروی ہو، یا ادب جاہلی سے ثابت ہو۔ اگر کسی آیت کا معنی ان کی وحدت کہ جسے وہ نظام کا نام دیتے ہیں، کے خلاف جا رہا ہو تو وہ اس آیت کی دور از کار تاویلات کر کے اسے اپنی اس کُل اور وحدت میں سمونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی یہ کُل اور وحدت مبنی بر تعقل ایک ایسا فلسفیانہ نظام ہے کہ جس کا ثبوت نہ تو خود قرآن کے اندرونی نظام سے ملتا ہے اور نہ ہی خارجی دلائل اس پر شاہد بن پاتے ہیں۔ اس مکتب فکر کا دوسرا مسئلہ فکری انتہا پسندی بھی ہے کہ یہ اپنے فہم و فلسفے کو ایک عاجزانہ رائے (humble opinion) کے طور پیش نہیں کرتے بلکہ اپنے لب و لہجے کی قطعیت اور حتمیت کے ذریعے اپنے فکر و فلسفے کو قرآن کا قطعی و حتمی مفہوم ثابت کرنے پر تُل جاتے ہیں یعنی قرآن مجید قطعی الدلالۃ ہے اور اس کا مطلب ان کے ہاں یہ ہوتا ہے کہ جو انہیں سمجھ میں آیا ہے، وہی اس کا قطعی مفہوم ہے، باقی سارے جھک مار رہے ہیں۔

دوسرا ماخذ: احادیث و آثار

غامدی صاحب کے نزدیک عربی معلی کے تین مصادر میں دوسرے نمبر پر احادیث اور آثار صحابہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کے بعد یہ زبان حدیث نبوی اور آثار صحابہ کے ذخائر میں ملتی ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے اِن ذخائر کا بہت تھوڑا حصہ ہی ہے جسے اب زبان کی تحقیق میں سند و حجت کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ جتنا کچھ بھی باقی ہے، اہل ذوق کے لیے متاع بے بہا ہے۔ یہ افصح العرب والعجم اور فصحاے صحابہ کی زبان ہے اور اپنے الفاظ و محاورات اور اسلوب بیان کے لحاظ سے اُس زبان کا بہترین نمونہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ نبی ﷺ کی دعاؤں، تمثیلات اور

---

1 البیان: ۵/ ۵۶۰

صحابہ کے ساتھ آپ کے مکالمات میں چونکہ بالعموم روایت باللفظ کا اہتمام ہوا ہے، اس وجہ سے اِس زبان کے نظائر سب سے زیادہ اِنھی کی روایت میں ملتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی زبان کے طلبہ اگر اِس بحر زخار میں غواصی کریں تو اپنے لیے بہت کچھ لولوے لالا جمع کر سکتے ہیں اور قرآن کی لفظی اور معنوی مشکلات کو حل کرنے میں اِس ذخیرے سے اُن کو بڑی مدد مل سکتی ہے۔[1]

مکتب فراہی اس معاملے میں بھی اپنے اصول پر صحیح معنوں میں عمل پیرا نہیں ہے۔ اس کی واضح مثال سورہ الکوثر کی تفسیر ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے مکتب فراہی میں کوثر سے مراد خانہ کعبہ لیا گیا ہے۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اگر وہ یہ مراد نہ لیں تو ان کا قرآن فہمی کا فلسفیانہ نظام گر جاتا ہے۔ اس لیے وہ یہ معنی مراد لینے کے تکلف اور غیر ضروری تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"الماعون-الکوثر: یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے توأم ہیں۔ پہلی سورۃ قریش کے سرداروں، خاص کر ابولہب کی فرد قرار داد جرم بیان کرتی اور دوسری اِن جرائم کی پاداش میں حرم کی تولیت سے اُن کی معزولی کا اعلان کرتی ہے۔ دونوں کے مضمون سے واضح ہے کہ پہلی سورہ ام القری یعنی مکہ میں نبی کریم ﷺ کی دعوت کے مرحلہ ہجرت وبراءت میں قریش کے لیے آخری تہدید کے طور پر اور دوسری آپ کے لیے ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے نازل ہوئی ہے۔ پہلے سورۃ-الماعون-میں روئے سخن قریش کی طرف ہے اور اِس کا موضوع اُن کی قیادت، خاص طور ابولہب کو یہ بتانا ہے کہ اُن کے جرائم کی پاداش میں تباہی اُن کا مقدر ہو چکی ہے۔ دوسرا سورۃ-الکوثر-میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اور اس کا موضوع آپ کو یہ خوش خبری دینا ہے کہ حرم کی تولیت اب آپ کو حاصل ہو گی اور آپ کے دشمنوں کی جڑ ہمیشہ کے لیے دنیا سے کٹ جائے گی"۔[2]

وہ مزید لکھتے ہیں:

"اصل میں لفظ "اَلْكَوْثَرَ" آیا ہے۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝﴾ کے جملے میں آگے اس کا حق بیان ہوا ہے۔ اُس سے واضح ہے کہ اِس سے بیت الحرام مراد ہے، اس لیے کہ یہ دونوں عبادات پوری شان کے ساتھ اِسی میں جمع ہوتی ہیں... قرآن نے جب یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر کا یہ خزانہ

---

1 میزان، ص ۱۷-۱۸

2 البیان: ۵/ ۵۴۴

آپ کو عطا کر دیا ہے تو اس کے معنی یہ تھے کہ قریش معزول ہوئے۔ حرم کی بدولت سرزمین عرب میں جو اقتدار انھیں حاصل رہا ہے، وہ اُن سے چھین لیا جائے گا اور خدا کے اِس گھر کی تولیت اُن سے لے کر نبی ﷺ اور آپ کے ماننے والوں کو سونپ دی جائے گی۔ اِس لحاظ سے دیکھیے تو یہ ایک عظیم بشارت تھی جو اپنی قوم سے ہجرت و براءت کے موقع پر آپ کو دی گئی، جبکہ دور دور تک اِس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے کہ یہ کبھی واقعہ بن سکے گی"[1]۔

اگرچہ مکتب فراہی میں حوض کوثر سے متعلق روایات کو بھی اس طرح جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور یہ خیر کثیر خانہ کعبہ ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"معراج میں نہر کوثر، آنحضرت ﷺ کو مشاہدہ کرائی گئی تھی، اس کی صفات پر جو شخص بھی غور کرے گا، اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ نہر کوثر در حقیقت کعبہ اور اس کے ماحول کی روحانی مثال ہے"[2]۔

مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"جو روایات مروی ہیں، ان کی مشترک حقیقت یہ ہے، کہ کوثر ایک نہر ہے، اس کے کناروں پر مجوف موتیوں کے محل ہیں، اس کی زمین یاقوت و مرجان اور زبرجد کی ہے۔ اس میں ظروف ہیں جو آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں، برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔ اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر چڑیاں اترتی ہیں، جن کی گردنیں قربانی کے جانوروں کی طرح ہیں... اب ایک لمحہ توقف کر کے کعبہ اور اس کے ماحول کے مشاہدات پر غور کرو، جب تمام اکناف عالم سے جان نثاران توحید کے قافلے، عشق و محبت الٰہی کی پیاس بجھانے کے لیے اس چشمہ خیر و برکت کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں، کیا ان کے احساس روحانی میں اس مقدس وادی کے سنگریزے، یاقوت و زمرد سے زیادہ پر جمال، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار اور اس کے ارد گرد حجاج کے خیمے مجوف موتیوں کے قبوں سے زیادہ حسین و خوبصورت نہیں ہیں؟ پھر حجاج اور ان کے ساتھ قربانی کے اونٹوں کی قطاروں پر ایک نظر ڈالو، کیا یہ ایک چشمہ کے کنارے لمبی گردن والی

---

۱ البیان: ۵/ ۵۴۷-۵۴۸

۲ مجموعہ تفاسیر فراہی: ص ۴۱۹

چڑیوں کا جھنڈ نہیں ہے؟... ایک نگاہ تعمق اس تشبیہ کے محاسن پر بھی ڈالو، حوض پر اترنے والی چڑیوں کو، قربانی کے اونٹوں سے تشبیہ دے کر اور ان کے کھانے والوں کا ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ چڑیوں سے مقصود بھی قربانی کے اونٹ ہیں، پھر اشارہ کتنا لطیف ہے، چڑیوں کی گردنوں کو قربانی کے اونٹوں کی گردن سے تشبیہ دی ہے کہ اس جز سے پورے کل پر روشنی پڑ جائے"۔[1]

خیر خود مولانا فراہی کو بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ حوض کوثر کی روایات کی اپنی نظام القرآن کی تفسیر کے ساتھ مماثلت ثابت کرنے کے لیے احادیث کی جس قدر تاویل کر رہے ہیں، معاملہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس کے معاً بعد کہتے ہیں:

"تم پوچھ سکتے ہو کہ اتنی رازداری اور اس قدر اشارات و کنایات کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ عقل سلیم اس سے حقائق کا استنباط کرے"۔[2]

آسان الفاظ میں مولانا فراہی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حوض کوثر کے بیان میں جو روایات ہیں، ان سے آپ علیہ السلام کی مراد خانہ کعبہ تھا، لیکن آپ علیہ السلام نے یہ معنی واضح طور بیان کیوں نہ کر دیا اور اسے اتنے اشاروں اور کنایوں میں چھپا کر کیوں رکھا کہ کوئی بھی اس تک نہ پہنچ پایا، یہ اس لیے تھا کہ مکتبِ فراہی ان قرآنی حقائق کا استنباط کر سکے جن تک سلف و خلف میں کوئی پہنچ نہیں پایا۔

مکتب فراہی کا مسئلہ یہ ہے کہ جس حدیث اور روایت کا کوئی ایسا معنی انہیں سوجھ گیا ہو جو اُن کے نظام القرآن کی تفسیر سے مطابقت اور میل کھاتا ہو تو وہ اس حدیث کو اپنی ہی اس تاویل کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جس حدیث کی انہیں کوئی ایسی تاویل نہ سوجھے جو ان کے نظام القرآن کے معانی و مفاہیم کے مطابق ہو تو وہ اس کو قرآن کے مخالف حدیث کا عنوان دے کر رد کر دیتے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اس تفصیل سے واضح ہوا کہ جنت کے حوض کوثر اور خانہ کعبہ میں نسبت حقیقت اور مجاز کی ہے۔ یہی خانہ کعبہ جنت میں حوض کوثر کی صورت میں ان لوگوں کو ملے گا جو اس پر پہنچنے کے شوق میں بیت اللہ کے حج کرتے رہے"۔[3]

چونکہ حوض کوثر کے بارے روایات تواتر معنوی کے درجے کو پہنچ جاتی ہیں، شاید اس لیے مکتب فراہی کے

---

۱ مجموعہ تفاسیر فراہی: ص ۴۲۲
۲ مجموعہ تفاسیر فراہی: ص ۴۲۲
۳ تدبر قرآن: ۹/ ۵۹۶

لیے ان کا انکار ممکن نہ تھا۔ لیکن ان احادیث کی جو بودی قسم کی تاویل کی گئی ہے، روایات پہلے ہی دھلے میں اس تاویل کا انکار کر دیتی ہیں۔ اس بات کو جاننے کے لیے ذیل میں ہم حوض کوثر سے متعلق چند روایات اور ان کا ترجمہ پیش کرتے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر ایک قاری خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کیا کہہ رہے ہیں اور مکتب فراہی ان روایات کی تاویل کر کے انہیں اپنے فلسفیانہ نظام میں ملانے کے لیے کیسے تکلف اور تاویل سے کام لے رہا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں:

أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: «بَيْنَمَا أَنَا أَسِيرُ فِي الجَنَّةِ إِذَا أَنَا بِنَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ المُجَوَّفِ، قُلْتُ: مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هَذَا الكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ، فَإِذَا طِينُهُ أَوْ طِيبُهُ مِسْكٌ أَذْفَرُ»[1].

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میں جنت میں چل رہا تھا تو میں نے ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کنارے کھوکھلے موتیوں کے قبے ہیں۔ میں نے پوچھا: اے جبرائیل! یہ کیا ہے؟ جبرائیل نے کہا: یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے ربّ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ (پھر فرمایا:) اس کی مٹی یا اس کی خوشبو خالص مشک ہے"۔

عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَ: «سَأَلْتُهَا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ قَالَتْ: نَهَرٌ أُعْطِيَهُ نَبِيُّكُمْ صلى الله عليه وسلم، شَاطِئَاهُ عَلَيْهِ دُرٌّ مُجَوَّفٌ، آنِيَتُهُ كَعَدَدِ النُّجُومِ»[2].

"ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ ایک نہر ہے جو آپ کے نبی ﷺ کو عطا کی گئی ہے، جس کے دونوں کنارے موتیوں کے گنبدوں سے آراستہ ہیں اور اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں"۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: «بَيْنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ يَوْمٍ بَيْنَ أَظْهُرِنَا إِذْ أَغْفَى إِغْفَاءَةً، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مُتَبَسِّمًا. فَقُلْنَا: مَا أَضْحَكَكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: أُنْزِلَتْ عَلَيَّ

---

۱ صحیح البخاری: ۶۵۸۱

۲ صحیح البخاری: ۴۹۶۵

آنِفًا سُورَةٌ. فَقَرَأَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝٣﴾ ثُمَّ قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْكَوْثَرُ؟ فَقُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهُ نَهْرٌ وَعَدَنِيهِ رَبِّي عز وجل عَلَيْهِ خَيْرٌ كَثِيرٌ. هُوَ حَوْضٌ تَرِدُ عَلَيْهِ أُمَّتِي»[1].

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کیں (ہلکی سی نیند یا غشی طاری ہوئی)، پھر آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور تبسم فرمایا۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی: ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝٣﴾ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک نہر ہے جس کا وعدہ میرے ربّ نے مجھ سے کیا ہے، اس پر بہت زیادہ خیر و برکت ہے اور یہ وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن آئے گی"۔

روایات اس باب میں بہت واضح ہیں کہ سورۃ کوثر میں جو کوثر آپ ﷺ کو دینے کی بشارت دی گئی ہے، اس سے مراد آخرت کا حوض کوثر ہے جو آپ کو دے دیا گیا ہے۔ روایات میں باقاعدہ سورۃ کوثر کو بیان کر کے اس میں موجود لفظ کوثر کی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ آخرت کا حوض ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی بیان صریح اور مبین نہیں ہو سکتا۔ البتہ بعض سلف صالحین نے یہ واضح کیا ہے کہ کوثر کے لغوی معنی اور نبوی معنی میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ لغت عرب میں کوثر کا معنی خیر کثیر ہے جبکہ نبوی معنی بھی اسی لغوی بنیاد ہی پر کھڑا ہے کیونکہ حوض کوثر، اسی خیر کثیر ہی میں شامل ہے۔ اوپر صحیح مسلم کی روایت میں آپ ﷺ نے بھی اس حوض کو خیر کثیر ہی قرار دیا ہے کیونکہ اس حوض سے اس امت کو بہت خیر ملے گا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه قَالَ: «الْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ» قَالَ أَبُو بِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِيدٍ: إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ، فَقَالَ سَعِيدٌ: النَّهْرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ[2].

---

۱ صحیح مسلم: ۴۰۰

۲ صحیح البخاری: ۴۹۶۶

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کوثر وہ بہت بڑی بھلائی (خیر کثیر) ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ (راوی ابو بشر کہتے ہیں:) میں نے (ابن عباس کے شاگرد) سعید بن جبیر سے کہا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ سعید بن جبیر نے فرمایا: جنت میں جو نہر ہے، وہ اسی بھلائی میں سے ہے جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو عطا کی ہے"۔

ان سلف صالحین کے بقول کوثر سے مراد حوض کوثر ہے اور چونکہ حوض کوثر سے امت کو بہت خیر ملے گا لہذا کوثر سے مراد خیر کثیر لینا بھی درست ہے کہ لغت میں بھی اس کا معنی یہی ہے۔ پس قرآن نے ایک عام لفظ بیان کیا یعنی کوثر کہ جس کا معنی خیر کثیر تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے معانی میں سے ایک خاص معنی متعین کر دیا یعنی حوض کوثر جو خیر کثیر ہی کی ایک شکل اور صورت ہے۔ اب اگر کوئی شخص قرآن کے لفظ کو اس کے لغوی یعنی عمومی معنی پر باقی رکھے تو آپ ﷺ کے بیان کردہ خصوصی معنی کا انکار نہیں ہوتا کیونکہ وہ خاص معنی، اس عمومی معنی ہی کا ایک جزو ہے اور اس عمومی معنی میں شامل ہے۔ مثال کے طور ایک شخص تنور والے سے روٹی مانگے اور دوسرا اسے کہے کہ مجھے خمیری چاہیے تو یہ خمیری بھی روٹی ہی کی ایک قسم ہی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ دونوں روٹی نہیں مانگ رہے بلکہ دونوں روٹی ہی مانگ رہے ہیں۔ ایک شخص تنور والے سے کہتا ہے کہ مجھے نان چاہیے اور دوسرا کہتا ہے کہ روغنی چاہیے تو دونوں نان ہی کا تقاضا کر رہے ہیں۔ جیسے خمیری روٹی میں روٹی اور روغنی نان میں نان شامل ہے، اسی طرح حوض کوثر میں خیر کثیر شامل ہے۔

مکتب فراہی احادیث اور آثار سے قرآن کے عموم کی تخصیص کا قائل نہیں ہے البتہ اپنے ذوق اور فلسفیانہ فکری نظام سے قرآن کے عموم کی تخصیص بہت سکون سے کر لیتا ہے۔ اور پھر اس مخصوص معنی کو قرآن مجید کا قطعی معنی بھی قرار دے دیتا ہے۔ ان کی فکر میں پیغمبر کے پاس تو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ قرآن کے کسی عام کو خاص کر سکے البتہ ان کے پاس یہ اختیار وافر مقدار میں موجود ہے کہ جہاں چاہیں اور جب چاہیں، اپنے نظام القرآن کے فلسفے کے مطابق قرآنی الفاظ کے معانی کو ڈھالنے کے لیے قرآن کے کسی عام کو خاص کر لیں اور منصوص خاص کا انکار کر کے اسے عام معلّٰی پر محمول کر لیں۔ فراہی صاحب سورہ کوثر کی تفسیر میں آخری جملے لکھتے ہوئے فرماتے ہیں اور اس میں ذرا لفظ ہی کے استعمال پر غور کریں:

"یہ تمام باتیں اشارہ کر رہی ہیں کہ اس سورہ میں کوثر سے مراد خانہ کعبہ ہی ہے"۔[1]

---

1 مجموعہ تفاسیر فراہی: ۴۶۲

تیسرا ماخذ: ادب جاہلی

غامدی صاحب کے نزدیک عربی معلی کا تیسرا بڑا ماخذ ادب جاہلی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اِس کے بعد اِس زبان کا سب سے بڑا ماخذ کلام عرب ہے۔ یہ امرؤالقیس، زہیر، عمرو بن کلثوم، لبید، نابغہ، طرفہ، عنترہ، اعشیٰ اور حارث بن حلزہ جیسے شاعروں اور قس بن ساعدہ جیسے خطیبوں کا کلام ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اِس کا بڑا حصہ شعرا کے دواوین اور "اصمعیات"، "مفضلیات"، "حماسہ"، "سبع معلقات" اور جاحظ و مبرد اور اِس طرح کے دوسرے اہل ادب کی کتابوں میں جمع ہے۔ اِس زمانے میں شعرائے جاہلیت کے ایسے بہت سے دواوین بھی شائع ہوئے ہیں جو اِس سے پہلے ناپید تھے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ عربی زبان کے بیش تر لغات اہل زبان کے اجماع و تواتر سے نقل ہوئے ہیں اور ان کا ایک بڑا ذخیرہ لغت کی امہات: "التہذیب"، "المحکم"، "الصحاح"، "الجمہرۃ" اور "النہایۃ" وغیرہ میں محفوظ ہے، لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ لغت عرب کا جو ذخیرہ اِس طرح متواتر نہیں ہے، اُس کی تحقیق کے لیے سب سے زیادہ مستند ماخذ یہی کلام عرب ہے۔ اِس میں اگرچہ کچھ منحول کلام بھی شامل ہے، لیکن جس طرح نقد حدیث کے علما اُس کی صحیح اور سقیم روایتوں میں امتیاز کر سکتے ہیں، اِسی طرح اِس کلام کے نقاد بھی روایت و درایت کے نہایت واضح معیارات کی بنا پر اِس کے خالص اور منحول کو ایک دوسرے سے الگ کر دے سکتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ لغت و ادب کے ائمہ اِس بات پر ہمیشہ متفق رہے ہیں کہ قرآن کے بعد یہی کلام ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور جو صحت نقل اور روایت باللفظ کی بنا پر زبان کی تحقیق میں سند و حجت کی حیثیت رکھتا ہے"۔[1]

غامدی صاحب نے عربی معلی کی بابت کہا کہ اس کا سب سے بڑا ماخذ کلام عرب یعنی ادب جاہلی ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ درست بات یہ ہے کہ عربی معلی کا سب سے اہم ماخذ تو خود قرآن اور حدیث ہیں جبکہ سب سے بڑا ماخذ آثار صحابہ و تابعین ہیں۔ قرآن مجید کی لغوی تفسیر میں جس قدر آثار صحابہ و تابعین مروی ہیں، ادب جاہلی کے اشعار اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ غامدی صاحب نے جس ترتیب سے مدون ادب جاہلی کو بیان کیا ہے، وہ دماغ میں سیدھا تیر کی طرح جا کے لگتی ہے۔ آپ اصول حدیث کے باب میں گہری اور علمی بحث کے دعویدار ہوں اور لکھ یہ رہے ہوں کہ مقطوع، مرفوع اور موقوف روایت، تو

---

1 میزان، ص ۱۸-۱۹

آپ کی اس ترکیب ہی سے کسی اچھے عالم کو وحشت پیدا ہو جائے گی۔ وہ یہ سوچے گا کہ مولف میں یا تو حس جمال نہیں ہے یا فن کی گہرائی سے ناواقف ہے کہ اس نے صرف نام سن رکھے ہیں۔ اصل میں ترتیب وہ نہیں ہے جو غامدی صاحب نے بیان کی ہے بلکہ ترتیب یوں ہے: سبع معلقات، مفضلیات اور اصمعیات۔ معروف روایت کے مطابق سبع معلقات کو حماد الراویہ متوفی ۱۵۶ھ نے سب سے پہلے جمع کیا تھا کہ جس میں دور جاہلیت کے سات چوٹی کے شعراء کا کلام تھا۔ سبع معلقات کے شعراء میں امرو القیس، طرفہ بن العبد البکری، زہیر بن ابی سلمی المزنی، لبید بن ربیعہ العامری، عمرو بن کلثوم التغلبی، عنترہ بن شداد العبسی، الحارث بن حلزہ الیشکری معروف ہیں۔ بعض نے ان میں تین کا اضافہ کر کے دس کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان تین میں الاعشی، النابغہ الذبیانی اور عبید بن الابرص شامل ہیں۔ مفضلیات کے شاعری مجموعے کو المفضل بن محمد الضبی متوفی ۱۶۸ھ نے جمع کیا تھا کہ جس میں ۶۷ شعراء کا ذکر ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر جاہلی دور کے شعراء ہیں۔ اصمعیات کا شعری مجموعہ عبد الملک بن قُریب الاصمعی متوفی ۲۱۷ھ کا مرتب کردہ ہے اور اس میں ۷۲ شعراء کا ذکر ہے کہ جن میں سے اکثر و بیشتر دور جاہلیت کے شعراء ہیں۔

ادب جاہلی میں الحاق

معروف مستشرق مارگولیتھ نے کہا تھا کہ دور جاہلیت کی شاعری عباسی دور میں وضع ہوئی ہے۔ اس کے بقول دور جاہلیت کی شاعری میں عربی زبان کی جو پختگی نظر آتی ہے، وہ قرآن کے بعد کے زمانے میں ہی ممکن ہے۔ طہ حسین مصری متوفی ۱۹۷۳ء نے اسی بات کو اٹھالیا اور اس پر کتاب لکھ دی اور دعوی کیا کہ دور جاہلیت کے شعراء کی شاعری ایک ہی لہجے یعنی قریش کی زبان میں ہے جبکہ ان شعراء کا تعلق مختلف قبائل سے تھا لہذا یہ بعد میں وضع ہوئی ہے۔ اس کی کتاب في الشعر الجاهلي نے مصر میں طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس کتاب پر نقد آیا تو انہوں نے کچھ چیزیں نکال کر اسے دوبارہ في الأدب الجاهلي کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب کا مقدمہ بھی یہی تھا کہ ادب جاہلی نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور جو موجود ہے، وہ مابعد زمانے کا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب نے اپنی کتاب میں طہ حسین مصری کی کتاب کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ (خورشید رضوی، ڈاکٹر، عربی ادب قبل از اسلام، ادارہ اسلامیات، لاہور) ادب جاہلی میں منحول کلام موجود ہے اگرچہ سب کا سب موضوع اور منگھڑت نہیں ہے، یہ سب نے مان لیا ہے بلکہ غامدی صاحب نے بھی مان لیا ہے جیسا کہ اوپر ان کے اقتباس میں یہ بات موجود ہے۔ البتہ انہوں نے اس کی توجیہ یہ کر لی کہ جس طرح محدثین صحیح اور ضعیف میں تمیز کر لیتے ہیں تو ایک اچھا شاعر یہ معلوم کر لیتا ہے کہ کیا منقول ہے اور کیا منحول۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس سبب

سے آپ احادیث اور آثار سے فرار ہوئے تھے کہ ان کا ثبوت قطعی نہیں ہے تو وہی چیز آپ کے گلے پڑ گئی ہے۔ ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں:

«والمعروف اليوم، أن حمادا الراوية، هو الذي جمع القصائد السبع المذكورة، وأذاعها بين الناس. وهو من حفظة الشعر ورواته وممن اشتهروا وعرفوا برواية الشعر القديم. وكان من المتكسبين بالشعر. وقد اتهم بالوضع وبالدس على الجاهليين وبالكذب عليهم: وهو نفسه لم ينكر ذلك، ولم يبرئ نفسه من الدس على الجاهليين والوضع عليهم. ولكنه كان بإجماع أنصاره وخصومه من أفرس الناس بالشعر، ومن أعلمهم بالشعر الجاهلي وبطرقه ودروبه وأساليبه، ولعل علمه هذا بالشعر، ورغبته في التفوق والتصدر على أقرانه المتعيشين مثله على رواية الشعر، كانا في رأس الأسباب التي حملته على الوضع والدس والافتعال»[1].

"آج یہ بات مشہور ہے کہ حمّاد الراویہ ہی وہ شخص تھا جس نے ان سات قصائد (معلقات) کو جمع کیا اور لوگوں میں عام کیا۔ وہ شعر کے حافظوں اور راویوں میں سے تھا، اور قدیم عربی شعر کی روایت کے حوالے سے مشہور اور معروف تھا۔ وہ شعر سے روزی بھی کماتا تھا۔ اس پر جعلی اشعار گھڑنے اور دور جاہلیت کے شاعروں پر جھوٹ باندھنے کے حوالے سے جعل سازی کے الزامات لگائے گئے۔ اور اس نے خود بھی اس الزام کی تردید نہیں کی اور نہ ہی اپنے آپ کو جاہلی شعر اپر وضع اور جعل سے بری قرار دیا۔ تاہم، اس کے حامیوں اور مخالفوں کا اتفاق تھا کہ وہ شعر کے معاملے میں سب سے زیادہ فہم رکھنے والا اور شعر جاہلی، اس کے طریقوں، راہوں اور اسالیب کا گہرا عالم تھا۔ غالباً یہی اس کا گہرا علم اور اپنے ہم پیشہ رواۃ پر برتری و شہرت حاصل کرنے کی خواہش تھی جو اسے جعلی اشعار گھڑنے اور روایت میں دخل دینے پر آمادہ کرتی تھی"۔

ادب جاہلی اور عرب تہذیب و تمدن

غامدی صاحب کا کہنا یہ بھی ہے کہ ادب جاہلی نہ صرف قرآن مجید کے الفاظ کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے کے

1 المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام: ۱۸/ ۷۷

لیے ممد و معاون ہے بلکہ دور جاہلیت کی اس تہذیب اور تمدن کو سمجھنے میں بھی مددگار ہے کہ جس کی روشنی میں قرآن کے سیاق و سباق کو سمجھا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اہل جاہلیت کا یہ کلام صرف زبان اور اُس کے اسالیب ہی کا ماخذ نہیں ہے، اِس کے ساتھ عرب کی اُس تہذیب و ثقافت کا بھی آئینہ دار ہے جس کا صحیح تصور اگر ذہن میں موجود نہ ہو تو قرآن مجید میں اشارہ و تلمیح اور تعریض و کنایہ کے اُن اسالیب کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے جو اِس شہ پارۂ ادب میں اصل سرمایۂ بلاغت ہیں۔ اہل عرب کی معاشرت کے بنیادی خصائص کیا تھے؟ وہ کن چیزوں کو معروف اور کن چیزوں کو منکر قرار دیتے تھے؟ اُن کے معاشرے میں خیر و شر کے معیارات کیا تھے؟ اُن کے مذہب اور رسوم و روایات کس نوعیت کے تھے؟ اُن کا تمدن کن بنیادوں پر کھڑا تھا اور اُن کے سماج کی تشکیل کن عناصر سے ہوئی تھی؟ اُن کے سیاسی نظریات اور روز و شب میں اُن کی دل چسپیاں اور مشاغل کیا تھے؟ وہ کیا ڈھور ڈنگروں کا ایک گلہ ہی تھے جنھیں اسلام نے اٹھایا اور جہاں بانی کے منصب پر فائز کر دیا یا اپنی اِس وحشت کے باوجود بعض ایسے اوصاف و خصائص کی حامل ایک قوم بھی تھے جن کی بنا پر قرآن جیسی کتاب اُنھیں دی گئی اور وہ خدا کی طرف سے پوری دنیا کے لیے شہادت حق کے منصب پر فائز ہوئے؟ یہ سب وہ سوالات ہیں جن کا صحیح جواب اِسی کلام میں ملتا ہے اور یہی جواب ہے جس کی روشنی میں قرآن مجید کے اشارات و تلمیحات اور تعریضات و کنایات اپنے بے مثال ادبی حسن اور کمال معنویت کے ساتھ اُس کے طلبہ اور محققین پر واضح ہوتے ہیں[1]۔

غامدی صاحب کی بات ایک حد تک ٹھیک ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا بھی ضروری ہے تاکہ بات میں توازن رہے۔ سوال یہ ہے کہ امرؤالقیس کی شاعری میں جو فحش پن تھا تو کیا وہ عرب کی عمومی تہذیب اور کلچر تھا؟ اور اسے عام طور ادب جاہلی کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے اگرچہ بعض نے نابغہ یا اعشیٰ کو بھی کہا ہے۔ پس کسی دور کی شاعری ضروری نہیں اس زمانے کی قوم کی تہذیب اور کلچر ہی بیان کر رہی ہو بلکہ زیادہ تر وہ اس دور کے شعراء کے تخیل کی پرواز ہی ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ دور جاہلیت کے شعر کے بڑے موضوعات مفاخرت، مدح، ہجو، فطرت، غزل، مرثیہ، اعتذار، تشبیہ، حکمت اور شراب وغیرہ ہیں۔

---

1 میزان، ص ۲۰

ہمیں ثقافتی معانی (cultural meaning) کو سمجھنا ہے لیکن ان کا اصل مصدر ادب جاہلی نہیں بلکہ شان نزول کی روایات ہیں۔ مثال کے طور انصار حج سے واپسی پر اپنے گھروں کے پچھواڑے سے گھروں میں داخل ہوتے تھے، سامنے کے دروازوں سے نہیں۔ قرآن مجید کی آیت مبارکہ ﴿وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ [البقرة: ۱۸۹] میں اس حکم کا تہذیبی پس منظر موجود نہیں ہے۔ یہ پس منظر کیا ہمیں ادب جاہلی سے ملے گا؟ جب قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ ان واقعات اور احوال کے بارے نازل ہو رہا ہے جو اس کے نزول کے وقت موجود ہیں۔ اور اس واقعے کے شاہدین صحابہ کرام ہیں کہ جنھوں نے اس واقعے کو شان نزول یا سبب نزول کی روایات میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اب ہم اس واقعے کو کہ جس پر قرآن کا نزول ہوا ہے، اس کے وقوعے سے سو سال پہلے کی شاعری میں تلاش کرنے کو عقلمندی کہہ سکتے ہیں!

قرآن مجید کی تفسیر میں ادب جاہلی کا مقام

واضح رہے کہ ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ ادب جاہلی قرآن فہمی کا کوئی مصدر نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہ قرآن فہمی کا ایک مصدر ہے لیکن اس کا درجہ احادیث، آثار اور شان نزول کی روایات کے بعد کا ہے، نہ کہ پہلے کا۔ اگر ایک معنی احادیث، آثار اور شان نزول کی روایات سے متعین ہو کر سامنے آجائے تو اب ادب جاہلی سے اس معنی کی تصحیح نہیں ہو گی۔ اور ادب جاہلی سے اگر کوئی معنی متعین ہو رہا ہو تو احادیث، آثار اور شان نزول کی روشنی میں اس معنی پر اضافہ کیا جا سکتا ہے اور اس کی تحدید و تخصیص بھی ہو سکتی ہے۔ تو بنیادی مسئلہ احادیث و آثار کے بالمقابل ادب جاہلی کی حیثیت اور مقام کی تعیین کا ہے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> یہی بات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے منبر سے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمائی ہے: یاأیها الناس، علیکم بدیوانکم، شعر الجاهلیة، فإن فیه تفسیر کتابکم ومعاني کلامکم[1]۔ "لوگو، تم اپنے دیوان، یعنی اہل جاہلیت کے اشعار کی حفاظت کرتے رہو، اِس لیے کہ اُن میں تمھاری کتاب کی تفسیر بھی ہے اور تمھارے کلام کے معانی بھی"۔ صحابہ میں دین کے جلیل القدر عالم ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: إذا خفي علیکم شيء من القرآن فابتغوه في

---

۱ الجامع لاحکام القرآن، القرطبی ۱۰/ ۱۱۰

الشعر، فإنه ديوان العرب[1]. "قرآن کی کوئی چیز تم پر واضح نہ ہو رہی ہو تو اُسے (جاہلی) اشعار میں تلاش کرو، اِس لیے کہ یہی شاعری درحقیقت، اہل عرب کا دیوان ہے"[2]۔

بلاشبہ صحابہ کرام نے ادب جاہلی کو قرآن فہمی کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہم بھی اس کا انکار نہیں کر رہے ہیں۔ اصل مسئلہ اس کی حیثیت کی تعیین کا ہے۔ غامدی صاحب نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو قول نقل کیا ہے، خود اس پر ذرا غور کر لیں کہ انہوں نے کیا کہا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اگر قرآن کے کسی لفظ کے معانی تم پر مخفی ہو جائیں تو اسے شعر میں تلاش کرو۔ اس کا مطلب ہے کہ آثار میں صحابہ کرام کے بیان کردہ معانی کو ادب جاہلی کے معانی پر ترجیح حاصل ہے۔ قرآن مجید صحابہ کرام کی زبان میں نازل ہوا ہے تاکہ وہ سمجھ سکیں جیسا کہ خود قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَٰهُ قُرۡءَٰنًا عَرَبِيّٗا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُونَ ۝٢﴾ [یوسف: ۲]۔ لہٰذا قرآن مجید صحابہ کرام کو سمجھ میں آتا تھا لیکن اگر قرآن کا کوئی لفظ ان سے مخفی ہو جاتا تو اس کا معنی وہ شعر عربی میں بھی تلاش کر لیا کرتے تھے تو اس بات سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ صحابہ کی ایک لغوی تفسیر ہے یعنی وہ قرآن مجید کے لغوی معنی کو متعین کرتے ہیں، صحابہ کی اس لغوی تفسیر کو ادب جاہلی پر ترجیح دینی چاہیے کیونکہ وہ قرآن کی عربی بھی جانتے تھے اور ادب جاہلی کی عربی بھی۔ دوسرا صحابہ کرام کی اجتہادی تفسیر ہے، اس سے اختلاف ممکن ہے۔ تیسرا یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ صحابہ کرام اسرائیلیات سے بھی قرآن مجید کی تفسیر کر جاتے ہیں، اس سے بھی اختلاف جائز ہے۔ چوتھی بات یہ کہ صحابہ کرام کی تفسیر اور تاویل میں سند کو بھی دیکھ لینا چاہیے ورنہ ضعیف سند سے مروی آثار کے حجت ہونے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ پانچواں نکتہ یہ کہ صحابہ کرام لغت سے قرآن مجید کی جو تفسیر کرتے ہیں تو بعض اوقات لفظ کا معنی بیان کرتے ہیں اور بعض اوقات معنی کے ایک جزو یا مثال کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں لہٰذا اس تفسیر پر بھی اضافہ جائز ہے اور تنوع کا اختلاف شمار ہو گا نہ کہ تضاد کا۔ اس قسم کی تفصیلات اہل علم اصول تفسیر کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اس موضوع پر الدکتور مساعد الطیار کی کتاب "التحرير في أصول التفسير" میں کافی کچھ نکات جمع ہو گئے ہیں۔ (جاری ہے)

---

۱ المستدرک، الحاکم، رقم ۳۸۴۵

۲ میزان، ص ۱۹-۲۰

سیکولرزم: اسباب و آثار

ڈاکٹر فہد اللہ مراد

نام کتاب	سیکولرزم: اسباب و آثار
مصنف	ڈاکٹر محمد رشید ارشد
ناشر	غزالی فورم؛ ۲۸۹۔ این بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ ۰۳۰۹۱۴۰۴۳۸۶

"سیکولرزم اسباب و آثار" پاکستان کے ایک تحریکی خانوادے کے قابل فخر فرزند جناب ڈاکٹر رشید ارشد کے رشحات فکر کا اظہاریہ ہے۔ آپ ان لائق اہل علم میں شامل ہیں جن پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ عصر حاضر کے نوجوان کے لیے مثالی رہ نما بن سکیں۔ دین و دنیا کے تمام ڈسکورسز کے مطالعے اور تجزیے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ پیشہ ورانہ طور پر جامعہ پنجاب میں فلسفے کے استاد ہیں اور لمبے عرصے سے قرآن اکیڈمی، لاہور سے بہ طور معلم وابستہ ہیں۔ آپ اپنی علمی اور دعوتی سرگرمیوں کے لیے ایک الگ ادارے غزالی فورم کی داغ بیل ڈال چکے ہیں، جہاں آپ سمیت بہت سے دیگر اہل علم کے گراں قدر فکری اور تربیتی دروس سے طالبانِ حق اپنے قلوب کی آب یاری کا سامان کر رہے ہیں۔ آپ نے خود بھی کئی ایک علمی اور فکری موضوعات پر سلسلہ وار محاضرات کا اہتمام کیا ہے؛ شائقین علم کو ان کی طرف بھی اعتنا کرنا چاہیے۔

زیر نظر کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصہ اول سیکولرزم کے تعارفی مباحث کے لیے وقف ہے۔ دوسرے حصے میں سیکولرزم کے غلبہ و نفوذ کی وجوہات بیان ہوئی ہیں اور تیسرے حصے میں اس امر کا جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ عالم اسلام پر سیکولرزم کے اثرات کس طرح مرتب ہوئے یا ہو رہے ہیں۔

مصنف کتاب کے لیے سب سے اہم سرمایہ جناب احمد جاوید صاحب کی تقریظ ہے جس میں انھوں نے یہ کہہ کر قارئین کے لیے اس کتاب کے مطالعے کی ضرورت کو واضح کر دیا ہے کہ مصنف پر اب کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ سیکولرزم کے بارے میں سطحی علم رکھتے ہیں۔ اس لیے ہر وہ شخص جو علمی سطح پر سیکولرزم کے بارے میں کچھ درست تعارف حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے یہ کتاب انتہائی مفید ہے۔

کتاب کے مندرجات پر نظر ڈالی تو ابتدائی حصے میں سیکولرزم کی تعریف، اس کے تقاضے، سیکولرزم کے

مختلف مکاتبِ فکر اور ان کے نتیجے میں برپا ہونے والی فکری اور عملی تحریکات کا تعارف پیش کیا گیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جدید مغربی دنیا میں زمانی، مکانی اور نظریاتی اعتبار سے کسی ایک نظریے کے بارے میں کس قدر تنوع پایا جاتا ہے۔ حصہ اول میں اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ اسلامی ممالک میں سیکولرزم کے پھیلنے کے اسباب کیا ہیں۔ یہ حصہ ہمارے مذہبی طبقے کو خصوصی طور پر دعوتِ فکر دیتا ہے کہ اہل دین کی نانجاریوں کے سبب بھی دنیا میں عموماً اور پاکستانی سماج میں خصوصاً سیکولرزم کو پاؤں پھیلانے کا پورا موقع ملا ہے۔

دوسرے باب میں سیکولرزم کے نفوذ کی وجوہات کا جائزہ لیتے ہوئے سب سے پہلے دنیا میں سیکولر فکر کی ترویج کا اولین ملزم عیسائیت کو قرار دیا گیا ہے۔ سیکولرزم کے نفوذ کی دوسری وجہ "جدید افکار پر مبنی اطوار جدید" لکھی ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح جدید افکار کے مرہون احسان پیدا ہونے والی فکر اور اس کے برگ وبار نے سیکولرزم کو غالب کرنے میں کردار ادا کیا ہے۔ پھر ان جدید اداروں اور تحریکوں پر بھی گفت گو کی ہے جو سیکولرزم کا محرک بنی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ مغرب میں پیدا ہونے والے سیاسی نظریات، سائنسی انقلاب، تحریک اصلاح مذہب، تحریک تنویر، صنعتی انقلاب، مشینی زندگی، معاشروں کی پبلک اور پرائیویٹ زندگی کی درجہ بندی، بیوروکریسی اور اس کے فسادات، جدید کلچر، قومی ریاست اور بے محابا ٹیکنالوجی کی ترقی جیسے امور نے اس دنیا میں سیکولرائزیشن کے عمل کو مکمل کیا ہے۔

گویا انھوں نے اس باب میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیکولرازم کے نفوذ کی کوئی ایک وجہ نہیں ہے بل کہ عیسائیت سمیت جدید دور میں پیدا ہونے والے تمام تر فکری اور علمی اسکولز اور اس کے عملی نتائج نے مل کر دنیا میں سیکولرائزیشن کے عمل کو انجام دیا ہے۔ یہ اس حوالے سے انتہائی اہم کوشش ہے کہ ہمارے ہاں سیکولرائزیشن کی سطحی تفہیم سے اوپر اٹھ کر حقیقی اسباب کی کھوج لگانے کی قابل قدر کاوش کی گئی ہے اور واضح طور پر یہ دکھایا گیا ہے کہ مغرب کا تمام تر سیاسی، ادارہ جاتی اور معاشی بندوبست یہ سب سیکولرزم کے غلبے اور نفوذ کی تحریکیں ہیں۔

حصہ سوم میں عالم اسلام پر سیکولرزم کے اثرات کا جائزہ پیش کیا ہے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ کون سی عملی تبدیلیاں ہیں جن کی بنا پر عالم اسلام پر سیکولرزم کے اثرات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس میں قومی ریاستیں، ڈیموکریسی پر مضبوط اعتقاد، آئین کی تقدیسیت، انسان کا جدید تصور، سرمایے کی پرستش، نظام تعلیم کی ثنویت اور مسلمانوں کے کچھ اندرونی فکری مسائل ہیں جو سیکولرزم کے نفوذ کا ذریعہ بنے ہیں۔ آخر میں گزارشات کے ضمن میں اہل مذہب میں پائی جانے والی مایوسی کا خاتمہ کرتے ہوئے انھیں یہ بتایا گیا ہے کہ

مذہب اور اہل مذہب میں اب بھی کس قدر قوت موجود ہے کہ وہ سیکولرزم کا مقابلہ کر سکتے ہیں؛ گویا مغرب اور اس کے ادارہ جاتی غلبے کو ابدی نہیں کہا گیا بل کہ ایک شیطانی جال سمجھا گیا ہے جس کے خلاف بہ ہر حال مسلمان اگر سنجیدہ کوششیں شروع کر دیں تو تبدیلی کے امکان بہت واضح اور نمایاں ہیں۔

ایک طالب علمانہ مطالعہ کے دوران جن چیزوں پر ذہن میں کھٹکا پیدا ہوا ہے، ان کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ کتاب کا مجموعی تاثر معلومات کو جمع کرنے کا ہے۔ مباحث کے درمیان گہرا تجزیاتی ربط مفقود ہے؛ یعنی ہر بات الگ اور بکھری ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ کوئی باقاعدہ تحریر نہیں بل کہ تقریر کو تحریر کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر پہلے حصے کا مشاہدہ کیا جائے تو سیکولرزم کی تعریفات کرتے ہوئے ان کے مابین کسی فکری اکائی کی دریافت کے لیے کوئی تجزیہ نہیں کیا گیا۔

دوسرے حصے میں سیکولرزم کے نفوذ کی وجوہات میں عیسائیت کو جس طرح ملزم ٹھہرایا گیا ہے، اس میں تحقیق کی کمی کا احساس ہوتا ہے، خصوصاً سینٹ پال پر عائد کی جانے والی فرد جرم انتہائی کم زور محسوس ہوئی ہے۔ قسطنطین کے عیسائیت کے قبول کو ایک سازشی تھیوری سے تعبیر کیا گیا ہے جب کہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ کہیں عیسائیت کی علمی اور اخلاقی فتح کی داستان تو نہیں ہے؟ البتہ سیکولرزم کے حوالے سے عیسائیت میں ثنویت بہ ہر حال پائی جاتی تھی لیکن قریباً تیرہ سو برس تک دنیا میں مذہبی شناخت کو قائم رکھنا، یہ یقیناً عیسائیت کی بہت بڑی قوت اور فتح ہے؛ جب کہ اہل اسلام فکری سطح پر استعماریت کا ایک جھٹکا بھی سہہ نہیں پائے۔

ہماری نظر میں عیسائیت کی حقیقی شکست اور مذہب کا عملاً پسپا ہو جانے کا سب سے اہم دور نشاتِ ثانیہ کا ہے۔ اس میں مذہبی سطح پر عیسائیت میں کچھ ایسی فکری اور عملی تبدیلیاں رونما ہو گئی تھیں جنھوں نے عیسائیت کی شکست کے تابوت میں میخیں گاڑ دی تھیں۔ نشاتِ ثانیہ کا سیکولرزم کی تحریک میں تجزیہ کرنا ہماری دانست میں سب سے ضروری حصہ تھا جسے قابلِ التفات نہیں سمجھا گیا بل کہ اس وقت مسلمان عوام اور علما فکر و عمل کی جن خرابیوں میں مبتلا ہو کر عملاً سیکولرزم کے خلاف بر سرِ پیکار ہونے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، اس کے زیادہ تر اسباب وہی ہیں جو عیسائی فکر و عمل میں نشاتِ ثانیہ میں پیدا ہوئے تھے۔

آخری عرض یہ ہے کہ جناب رشید ارشد صاحب کے اس کام کو ہم ان کے علمی قد و قامت کو سامنے رکھتے ہوئے خشتِ اول کا نام دیں گے اور توقع کریں گے وہ اس کام کو مزید آگے بڑھائیں اور اسلامی فکر و علم کی روشنی میں سیکولرزم اور اس کے پیدا شدہ اثرات کے جائزے کے ساتھ ساتھ امت پر اس سے نجات کے راستوں کی مزید نشان دہی کریں۔

اللہ ہے نا

ڈاکٹر طاہر اسلام عسکری

نام کتاب	اللہ ہے نا
مصنف	محمد اکبر
اشاعت	اول:۲۰۲۴ء
صفحات	۳۲۴
ملنے کا پتا	ادارۃ النور، دکان نمبر ۲، ۳ آنور مینشن، جمشید روڈ، بالمقابل جامع مسجد بنوری ٹاؤن، کراچی، رابطہ نمبر:۰۳۲۴۲۸۵۵۰۰۰

محمد اکبر ان جواں سال اہلِ علم میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے قرآن سے ایسی قلبی وابستگی عطا فرمائی ہے جو آدمی کے علم میں روشنی اور اس کے بیان میں اثر پیدا کر دیتی ہے۔ دینی سنجیدگی، جدید ذہن کی حساسیت اور عملی زندگی کے سوالات کو سمجھنے کی صلاحیت ان کی شخصیت میں ایک ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے اندر وہ قرآنی فہم پیدا ہوا ہے جو محض مطالعے کا نتیجہ نہیں لگتا بل کہ ایک عطیۂ خاص معلوم ہوتا ہے۔ وہ آیت پڑھتے ہیں تو اس کے پیچھے کارفرما حکمت کو دل میں محسوس کرتے ہیں، پھر اسے اس زبان میں بیان کرتے ہیں جس میں اخلاص بھی ہوتا ہے، سادگی بھی اور وہ وقار بھی جو دعوت کی روح ہے۔ ان کی تحریر میں ایک طرف رجوع الی اللہ کی تذکیر ہے اور دوسری طرف یہ احساس کہ قرآن آج بھی زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی رہ نمائی کرتا ہے۔ ان کی زیرِ نظر کتاب اللہ ہے نا اسی قرآنی نسبت، اسی اخلاصِ فکر اور اسی دعوتی شعور کا ثمر ہے جس کے ذریعے وہ قاری کے دل میں یہ اعتماد پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کی اصل پناہ اس کے رب ہی کا دامن ہے اور اسی تعلق کی مضبوطی میں اس کی دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی پوشیدہ ہے۔ یہ ان کی دوسری کتاب ہے؛ اس سے پہلے اسی نوعیت کی تصنیف آؤ رب سے باتیں کریں، بھی شایع ہو کر عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔

اس کتاب کی ایک نمایاں ترین خوبی اس کی سادہ زبان اور عام فہم اسلوبِ بیان ہے۔ مصنف نے نہ وعظ کی ثقالت اختیار کی ہے، نہ ادبی تصنّع کا سہارا لیا ہے بل کہ ایسی صاف، رواں اور بے تکلف زبان میں بات کی ہے جو

آج کی نوجوان نسل کے لیے بڑی آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہے۔ مگر ان کے طرزِ تحریر کی سادگی سطحیت کی عکاس نہیں ہے بل کہ یہ سہل ممتنع کی حیثیت رکھتا ہے جس سے مفہوم و مطلب میں نکھار پیدا ہوا ہے۔ وہ قرآنی حکمت کو موجودہ زمانے کے محاورے میں یوں بیان کرتے ہیں جس سے قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس کی اپنی زبان میں اس سے ہم کلام ہے۔ کہیں کہیں انگریزی الفاظ بھی اس طرح آجاتے ہیں کہ اسلوب کی روانی میں اضافہ ہوتا ہے، جیسے وہ سورۂ جاثیہ کی آیت ۲۳: ﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ کا مفہوم یوں ادا کرتے ہیں کہ اس شخص کو دیکھو جس نے اپنی فیلنگز اور ڈیزائرز کو خدا بنا لیا ہے۔ یہ ترجمہ لفظی نہیں بل کہ تفہیمی ہے اور جدید ذہن کے قریب تر ہے۔ اسی طرح وہ مثالیں بھی اسی دنیا سے لیتے ہیں جس میں آج کا نوجوان جیتا ہے؛ کہیں کرکٹ کا حوالہ، کہیں معروف کاروباری شخصیات کے نام، کہیں روز مرہ کے تجربات۔ اس طرح قرآن کا پیغام خشک نصیحت کی صورت کے بجائے زندگی کی دھڑکن کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر دل میں جگہ بناتا ہے۔ مصنف نے اسی فطری، شفاف اور بے تصنع اسلوب کے ذریعے اُس فاصلے کو کم کیا ہے جو نئی نسل اور دینی متون کے درمیان پیدا ہو گیا ہے اور یہی اس کتاب کی سب سے نمایاں اور روشن ادبی اور دعوتی خوب صورتی ہے۔ قرآن مجید سے تذکیر کا جو حصول آسان بنایا گیا ہے، مصنف نے اسے کام یابی کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کا ایک عمدہ پہلو اس کے مضامین اور مشمولات کی مختصر ساخت ہے جس میں مصنف نے طوالت سے پورا اجتناب کیا ہے۔ اس میں چھوٹے چھوٹے مضامین ہیں اور ہر مضمون اپنی جگہ ایک مکمل فکری پیغام کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ بیش تر مباحث ایک یا دو صفحات ہی میں سمٹ آتے ہیں؛ چند ہی مضامین ہیں جو تین صفحات تک جاتے ہیں۔ یہ اختصار اسلوبیاتی رجحان سے بڑھ کر ایک دعوتی حکمت عملی کا عکاس ہے۔ مصروفیت سے بھرپور زندگی میں انسان کے لیے مسلسل مباحث اور لمبی عبارتیں پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن مختصر، مرتب اور واضح پیغام فوراً دل میں اتر جاتا ہے۔ مصنف نے اسی فطری ضرورت کو سامنے رکھ کر مضامین کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ قاری جہاں سے چاہے کتاب کھول لے، اسے ایک مکمل غذا مل جائے۔ یہ ترتیب قاری کو ذہنی بوجھ سے آزاد رکھتے ہوئے اسے اس بات کی سہولت دیتی ہے کہ وہ چند لمحوں میں ایک مضمون پڑھ کر اپنے دل و دماغ کو تازہ کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب مسلسل مطالعے کی محتاج نہیں؛ قاری ایک نشست میں ایک مضمون پڑھ لے یا چند مضامین، ہر صورت میں روحانی سرشاری ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ اسلوب دعوت کو آسان بھی بناتا ہے اور دل تک اس کی تاثیر اور رسائی کو بھی بڑھاتا ہے۔

مصنف کتاب کے ہر موضوع کو بہ راہِ راست قرآن سے مربوط کرتے ہیں۔ وہ کسی خیال کو مجرد انداز میں نہیں چھیڑتے بل کہ ایک مختصر عنوان لیتے ہیں، اسے سادہ اور رواں زبان میں کھولتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ مناسب قرآنی آیات کو اس طرح پرو دیتے ہیں کہ مضمون میں فکری گہرائی کے ساتھ ساتھ قاری کے دل میں قرآن کے ساتھ ایک تازہ وابستگی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے یہاں آیت محض حوالہ نہیں ہوتی بل کہ مضمون کی اصل روح بن کر سامنے آتی ہے۔ وہ دکھاتے ہیں کہ قرآن انسان کی روز مرہ زندگی سے کس قدر قریب ہے؛ دکھ، بے سمتی، خوف، تذبذب اور عملی معاملات میں یہ کتاب کس طرح قاری کے باطن پر دستک دیتی ہے اور اسے اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ سجھاتی ہے۔ قاری جان لیتا ہے کہ قرآن آج بھی اسی طرح اس سے ہم کلام ہے جس طرح اس کے پہلے مخاطبین سے تھا اور اگر انسان اپنے دل کے در کو وا رکھے تو قرآن کی ہدایت اس کے لیے بھی اسی طرح مؤثر اور کار گر ہو سکتی ہے جیسے پہلے لوگوں کے لیے تھی۔

قرآن مجید کی آیات پر مکمل ارتکاز کے باوصف جہاں ضرورت ہو، وہاں مصنف حدیث اور سیرت کے روشن واقعات سے بھی وہی حرارت اور روشنی حاصل کرتے ہیں جو دلوں کی دنیا بدل دیتی ہے۔ ان کے بیان کیے ہوئے واقعات قاری کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ دین کا پیغام کسی نظری بحث کا موضوع نہیں بل کہ انسانی زندگی کے رگ وپے میں اتر جانے والی حقیقت ہے۔ قرآن میں تدبر کیسے کریں؟ کے زیرِ عنوان انھوں نے مجمع الزوائد کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضرت اوس بن حذیفہ ثقفیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک وفد کی صورت میں دین سیکھنے کے لیے مدینہ میں آئے۔ رسول اللہ ﷺ ہر روز عشا کے بعد ہمیں تعلیم دیتے۔ آپ ﷺ نے اپنے یومیہ معمول میں قرآن کے ایک متعین حصے کی تلاوت لازم کر رکھی تھی۔ ایک شب مقررہ وقت کے بعد تشریف لائے تو ارشاد فرمایا کہ مجھے مناسب نہ لگا کہ اپنا حصہ پڑھے بغیر تمھارے پاس آؤں؛ اس لیے پہلے اس کی تکمیل کی پھر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں[1]۔ مصنف اس روایت کو محض حکایت کے طور پر نہیں لاتے بل کہ اس سے وہ مقصدیت کا درس لیتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ حقیقی تعلق جذبات اور خواہشات کے بھروسے قائم نہیں ہوتا؛ اس کے لیے نظم، اہتمام اور استقلال وہ بنیادی ستون ہیں جن پر تدبر کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ان کی تحریر قاری کے دل میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ جیسے مصروف انسان نے بھی اپنے معمول میں کمی گوارا نہ کی تو ایک عام مسلمان کے لیے اس راستے کی پابندی کتنی زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔ اس سے وہ قاری کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ قرآن میں تدبر کی توفیق اور اس کا فہم اسی وقت نصیب ہوتا ہے جب

---

1 مجمع الزوائد، ۲/ ۲۷۲

اسے زندگی کا مقصد بنا کر اس کے لیے باقاعدہ وقت نکالا جائے اور سستی اور کوتاہی سے دامن بچایا جائے۔

اس کتاب کی اصل قدر و قیمت اس پیغام میں ہے کہ انسان جتنا بھی بکھرا ہوا ہو، اس کے دل میں امید کا چراغ بجھنا نہیں چاہیے۔ مصنف نے قرآنی آیات، روشن مثالوں اور نہایت سادہ مگر دل نشین زبان کے ساتھ یہ حقیقت بڑے خوب صورت انداز میں واضح کی ہے کہ ایمان کا راستہ کسی ایک طبقے کے لیے نہیں بل کہ ہر اس انسان کے لیے کشادہ ہے جو اپنے رب کی طرف جھکنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ کتاب قاری کو بتاتی ہے کہ دل کی پریشانیاں، زندگی کی الجھنیں اور زمانے کے شب و روز کے دباؤ سب اسی وقت ہلکے ہوتے ہیں جب انسان اپنے رب سے اپنا رشتہ مضبوط کر لے۔ قرآن کے ساتھ یہ تعلق ہی وہ سہارا ہے جو آدمی کو نہ صرف اندھیروں میں راہ دکھاتا ہے بل کہ اس کے اندر یہ حوصلہ بھی پیدا کرتا ہے کہ وہ مایوسی سے نکل کر امید اور عمل کی دنیا میں قدم رکھے۔ یہی وہ پیغام ہے جس کی آج کے انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ مصنف نے اسے جس اخلاص اور سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے، وہ حد درجہ لائق تحسین ہے۔

یہ کتاب ہر عمر اور ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے یک ساں طور پر مفید ہے۔ اسے ہر گھر اور ہر لائبریری میں جگہ ملنی چاہیے اور بالخصوص اسکول، کالج اور یونی ورسٹی کے طلبہ و طالبات تک اسے ضرور پہنچانا چاہیے تاکہ نوجوان نسل قرآنی تعلیمات سے بہ طور خاص بہرہ ور ہو سکے۔

آداب اختلاف

حافظ دار قطنی رحمہ اللہ کی بغداد میں ابو بکر باقلانی اشعری سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے انھیں گلے لگایا، ان کے چہرے اور آنکھوں کو چوما اور فرمایا: یہ مسلمانوں کے امام اور دین کے سچے پاسبان ہیں۔ علامہ ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء (۱۷/۵۵۸) میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بغداد میں یہی بزرگ تھے جو سنت اور اہل حدیث کے طریق و منہاج کے دفاع میں پوری قوت کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے۔ ان کے سامنے معتزلہ، روافض، قدریہ اور مختلف قسم کے بدعتی گروہ موجود ہوتے مگر وہ دلیل اور برہان کے ہتھیار سے ان سب کا مقابلہ کرتے۔ وہ کرامیہ کی تردید اور ان کے مقابلے میں حنابلہ کی تائید و نصرت میں پیش پیش رہتے تھے۔ اہل حدیث کے ساتھ ان کا تعلق بڑا خوش گوار تھا، اگرچہ بعض نازک مسائل میں ان کا اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔ اسی پس منظر کی بنا پر دار قطنیؒ ان سے توقیر و احترام سے پیش آئے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۷/۵۵۸)

سالانہ تقریبات جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)

قاری محمد ظہیر ادریس

جامعہ لاہور الاسلامیہ المعروف جامعہ رحمانیہ ملک عزیز پاکستان کی ایک معروف دینی و مرکزی تعلیمی درسگاہ ہے، جہاں قرآنِ کریم اور علومِ شریعت کی تدریس ۵۰ سال سے زائد عرصہ سے خالص علمی مزاج کے ساتھ جاری ہے۔ ہر سال ادارے میں مختلف علمی و تربیتی پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں، جن کا مقصد طلبہ وطالبات کی تعلیمی محنت کا اظہار اور قرآنی علوم کی عملی صورتوں کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ ۲۰۲۵ء میں بھی جامعہ کے متعدد شعبہ جات کی جانب سے سالانہ اہم تقریبات منعقد ہوئیں۔ ان کی تفصیلات حسبِ ذیل ہیں:

① تقریبِ تکمیلِ صحیح بخاری واختتامِ قراءات عشرہ (صغریٰ و کبریٰ)

ہر سال کی طرح امسال بھی جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) سے فارغ التحصیل علماء کرام کے اعزاز میں عدیم النظیر اور فقید المثال تقریب تکمیل صحیح بخاری کا اہتمام کیا گیا۔

۱۴ جنوری ۲۰۲۵ء بروز بدھ، بعد نمازِ مغرب جامعہ رحمانیہ، واقع جمال چوک، خیابانِ جناح، نشیمنِ اقبال، لاہور میں ایک نہایت باوقار تقریب کا انعقاد ہوا۔ یہ تقریب تکمیلِ صحیح بخاری اور تکمیل قراءاتِ عشرہ صغریٰ وقراءات کبریٰ کے اختتام کے سلسلے میں منعقد کی گئی، جس میں طلبہ اور طالبات دونوں نے بھرپور شرکت کی۔ سرد موسم کی وجہ سے یہ تقریب جامعہ کی مسجد کے وسیع ہال میں پر شوکت انداز میں منعقد ہوئی۔ مسجد کا ہال اساتذہ، طلبہ، والدین اور مہمانانِ گرامی سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تکمیل کرنے والے طلبہ سفید لباس اور سرخ رومال سجائے اسٹیج کی ایک جانب باوقار انداز میں بیٹھے ہوئے تھے، جبکہ اسٹیج پر اکابر اساتذہ اور کبار مشائخ کے نورانی چہرے اس پروگرام کو جلال بخش رہے تھے۔

تقریب کا آغاز قاری مدثر عزیزی مدرس ادارہ ہذا کی تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔

اس سال صحیح بخاری مکمل کرنے والے طلبہ کی تعداد ۴۶ اور طالبات کی تعداد ۱۵ تھی۔ اسی طرح قراءات عشرہ مکمل کرنے والے طلبہ وطالبات کی تعداد ۵۴ تھی۔ تمام طلبہ وطالبات نے اپنی صحیح بخاری اور قراءات کی اسانید باقاعدہ طور پر پیش کیں۔

سیرتِ امام بخاری اور ان کی علمی خدمات

شارح صحیح بخاری فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ، لاہور) نے اپنی علمی گفتگو میں امام بخاری رحمہ اللہ کی خدمات کو جامع اور محققانہ انداز میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اہل علم نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری کو آب زر کے ساتھ لکھا جانا چاہیے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قدر باریک بینی، دقیق تحقیق اور محنت طلب کام کیا کہ آج امت مسلمہ کے لیے یہ کتاب ایک نہایت قیمتی اور لازمی اثاثہ ہے۔ صحیح بخاری کا مقام قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ بلند ہے۔ اس کے مطالعے اور تدبر سے علم حدیث اور دین کی اصل روشنی حاصل ہوتی ہے۔ شیخ محترم نے طلبہ کو تنبیہ فرمائی کہ آپ نے بخاری شریف سے جو سیکھا ہے، اسے اپنی عملی زندگی میں بروئے کار لائیں، ورنہ علم کا حقیقی مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔

درسِ بخاری

کے لیے عالم ربانی فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد) تشریف لائے۔ آخری کلاس کے طالبعلم قاری صائم بشیر نے شیخ الحدیث جامعہ ہذا مولانا عبد الرشید تونسوی سے لے کر امام بخاری رحمہ اللہ تک اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی سند کے ساتھ آخری حدیث کی قراءت کی۔ اس کے بعد شیخ الحدیث مولانا حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ نے عالمانہ و فاضلانہ گفتگو ارشاد فرمائی، جس میں انہوں نے امام بخاری کی علمی جلالت پر روشنی ڈالی، صحیح بخاری کے اُمتِ مسلمہ کے ہاں مقام کو واضح کیا اور ساتھ ساتھ دفاع صحیح بخاری کے حوالے سے بھی علمی نکات پیش کئے۔ بخاری کی آخری حدیث پر سند و متن ہر دو اعتبار سے محققانہ گفتگو فرمائی۔ شیخ محترم کا درسِ بخاری عام روایتی انداز سے ہٹ کر تھا۔ انہوں نے نہایت سادہ اور دل نشین اسلوب میں آخری حدیث کے ایسے نادر پہلو واضح کیے جو عموماً سننے کو نہیں ملتے۔

حافظ صاحب نے امام بخاری رحمہ اللہ کی سیرت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ امام بخاری دنیاداری کی طرف کبھی مائل نہ ہوئے اور علم حدیث کے حصول میں تقریباً ۱۰۸۰ اساتذہ سے احادیث سیکھیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری نے اپنی فطری صلاحیت اور اخلاص کے ذریعے علم حدیث کا استحضار کیا۔ صحیح بخاری وہ کتاب ہے جسے قرآن کریم کے بعد سب سے معتبر اور مقبول کہا گیا ہے اور بغیر اس کے مطالعہ اور عمل کے کوئی عالم نہیں کہلا سکتا۔ امام بخاری نے اپنی اس کتاب میں تقریباً ۳۸۸۲ ابواب قائم کئے۔ ان ابواب کو انہوں نے بڑی محنت، شبانہ روز مطالعہ اور تحقیق کے بعد ترتیب دیا۔

حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ نے متن حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح، اس کی صفات اور یکتا

ہونے کا ذکر ہر حدیث میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ ہمیشہ موجود ہے۔ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین کلام میں شمار ہوتا ہے اور اسی کی برکت سے کائنات کو رزق حاصل ہوتا ہے۔ شیخ محترم نے طلبہ کو نصیحت فرمائی کہ ہمیشہ علماء سے جڑے رہیں، ان سے مشاورت کرتے رہیں، کیونکہ یہ ایک جاری صدقہ ہے جو علم کی روشنی کو نسل در نسل منتقل کرتا ہے۔ درس کے اختتام پر حضرت حافظ صاحب نے طلبہ کو خصوصی دعاؤں سے نوازا۔

فقاہتِ امام بخاری

جامعہ کے جلیل القدر استاذ شیخ الحدیث مولانا محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ نے فقاہتِ امام بخاری پر تفصیلی گفتگو کی۔ اُنہوں نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کی حضرت ابوہریرہؓ، امام زہری اور امام بخاری کو منکرین حدیث اس لیے ہدف تنقید بناتے ہیں کیونکہ علم حدیث میں جس قدر ان ہستیوں کی جہود نمایاں ہیں، کسی اور کی نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں روایتِ حدیث کے حوالے سے امتیازی شان رکھتے ہیں جبکہ امام زہری رحمہ اللہ تابعین میں بلند پایہ مقام کے حامل ہیں اور امام بخاری کی کتاب "أصح الكتب بعد كتاب الله" کے عظیم الشان لقب سے ملقب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ محض کسی ایک فقہی مسلک کے ترجمان نہیں تھے بلکہ وہ مجتہدِ مطلق تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کی براہِ راست فہم کی غیر معمولی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ ان کا فقہی مزاج تقلیدِ جامد کا نہیں بلکہ دلیل اور نص کے تابع اجتہاد کا تھا۔ اسی لیے صحیح بخاری میں ہمیں صرف احادیث کا ذخیرہ ہی نہیں ملتا بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت بھی جھلکتی ہے، جو ابواب کے تراشے ہوئے عنوانات اور احادیث کے انتخاب میں نمایاں نظر آتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ عظیم الشان کام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اہلِ علم کو تعصب سے بالاتر ہو کر قرآن وسنت کو معیار بنانا چاہیے اور حق کو جہاں دیکھیں اسے قبول کرنے کا حوصلہ رکھنا چاہیے۔

علماء کی ذمہ داریاں

قائد اہل حدیث علامہ حافظ ابتسام الٰہی ظہیر حفظہ اللہ (چیئرمین قرآن وسنہ موومنٹ، پاکستان) نے علماء کی ذمہ داریوں کے موضوع پر نہایت جامع، دل نشیں اور فکر انگیز خطاب کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ عقل اور نقل میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ عقل کا اصل کام یہ ہے کہ وہ وحی کو سمجھے، اس پر غور کرے اور اس کے مطابق زندگی کو سنوارے۔ عقل، وحی کے مقابلے کی کوئی چیز نہیں ہے۔

علامہ صاحب نے منکرینِ حدیث کے موقف کا نہایت مدلل اور مؤثر رد فرمایا۔ انہوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ قرآن کریم میں نماز کا حکم موجود ہے، لیکن نماز کی رکعتیں، قیام، رکوع، سجدہ اور ان کی ترتیب ہمیں قرآن سے نہیں ملتی، بلکہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور حدیث سے ملتی ہے۔ اگر حدیث کو چھوڑ دیا جائے تو نماز جیسی بنیادی عبادت بھی عملی طور پر قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح قرآن مجید صرف زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے جبکہ حدیث اس کی عملی تفصیلات سمجھاتی ہے۔ علماء کرام پر امت کی فکری اور عملی رہنمائی کی بھاری ذمہ داری ہے۔ علماء کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو نہ صرف علم سکھائیں بلکہ ان کے شبہات کا ازالہ بھی کریں، منکرینِ حدیث اور جدید فتنوں کا علمی انداز میں رد کریں اور نئی نسل کو قرآن وسنت سے مضبوطی کے ساتھ جوڑیں۔

اعزازات

جامعہ کی انتظامیہ کی جانب سے ممتاز شیوخ الحدیث کو تدریسِ حدیث، خدمتِ دین اور دفاعِ سنت میں ان کی عظیم خدمات کے اعتراف میں اعزازی شیلڈز سے نوازا گیا۔ شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم، شیخ الحدیث مولانا محمد رمضان سلفی، شیخ الحدیث مولانا محمد شفیق مدنی، شیخ الحدیث مولانا زید احمد، شیخ الحدیث مولانا عبد الرشید تونسوی اور علامہ ابتسام الٰہی ظہیر حفظہ اللہ کی خدمت میں شیلڈز پیش کی گئیں۔ مزید برآں امسال فارغ ہونے والے ۶۱ طلبہ وطالبات کو کبار مشائخ واساتذہ کرام کے ہاتھوں اعزازات اور علمی کتب سے نوازا گیا۔

تقریب کے آخری مرحلے میں قراءات عشرہ صغریٰ وکبریٰ کے اختتامی اسباق پیش کیے گئے۔ پہلے طلبہ نے قراءات عشرہ صغریٰ کا آخری سبق فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر قاری انس نضر مدنی حفظہ اللہ کو سنایا۔ شیخ محترم نے اپنی علمی گفتگو میں فرمایا کہ قرآن وقراءات کی سند کو لوحِ محفوظ کے واسطے کے بغیر اللہ تک براہِ راست پہنچانا چاہیے۔

بعد ازاں طلبہ نے قراءات عشرہ کبریٰ کی سند فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک پڑھی اور اپنا آخری سبق سنایا۔ استاد محترم نے قراءات عشرہ کبریٰ کا تعارف اور علمی نکات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ یہ علم طلبہ کو قرآن کی صحیح قراءات، سند کی حفاظت اور امت مسلمہ کے لیے ایک مضبوط علمی ورثہ فراہم کرتا ہے۔ اپنے خطاب میں انہوں نے تکبیرات کی فنی حیثیت پر بھی مفید گفتگو فرمائی۔

④ تقریب تکریم رحمانیین رنمائندگان فضلاء جامعہ

جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) کے زیر اہتمام ۷/ اکتوبر ۲۰۲۵ء بروز منگل، بعد از نمازِ مغرب ایک پُروقار اور یادگار عشائیہ پروگرام بعنوان تکریم رحمانیین منعقد ہوا۔ یہ پروگرام اُن باکمال نمائندہ فضلائے جامعہ کے اعزاز میں ترتیب دیا گیا جنہوں نے سیلابی حالات اور رفاہی سرگرمیوں میں خاص قائدانہ کردار ادا

کرتے ہوئے مادرِ علمی کے وقار میں اضافہ فرمایا۔ یہ پروگرام مین پائن ایونیو روڈ، نزد ویلنشیاء ٹاؤن لاہور (فارم ہاؤس) کے کشادہ اور خوبصورت گراؤنڈ میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا پہلا حصہ فضلاء کے باہمی تعارف پر مشتمل تھا۔ تمام شیوخ اور فضلاء جامعہ نے اپنے اپنے تعارف میں بتایا کہ وہ جامعہ رحمانیہ سے کس سال فارغ التحصیل ہوئے اور اس وقت کس شعبے میں خدمتِ دین کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں۔ یہ تعارف کا سلسلہ نہایت دلچسپ رہا، جس سے معلوم ہوا کہ جامعہ کے فضلاء دنیا کے مختلف گوشوں میں علم و خدمت کے چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔ نمازِ عشاء کی امامت فخر جامعہ فضیلۃ الشیخ قاری صہیب احمد میر محمدی حفظہ اللہ نے فرمائی۔

نماز عشاء کے بعد رسمی پروگرام کا آغاز ہوا۔ میزبان پروگرام جناب ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی حفظہ اللہ نے تمام مہمانانِ گرامی اور فضلائے جامعہ کو خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ رحمانیین جہاں کہیں بھی ہوں، وہ اپنے علم، کردار اور خدمت سے روشنی پھیلاتے ہیں۔ یہ محفل انہی چراغوں کی روشنی کو سلام پیش کرنے کے لیے منعقد کی گئی ہے۔ اس کے بعد بعض منتخب فضلاء نے دو سے تین منٹ کی گفتگو کیں، جن میں درج ذیل فضلاء شامل تھے:

- حافظ عبد الوحید شاہد روپڑی (امیر جماعت اہل حدیث پنجاب)
- حافظ نعیم الرحمن ناصف (پیغام ٹی وی)
- ڈاکٹر قاری شفیق الرحمن زاہد (چیئرمین قرآن وسنہ پنجاب)
- ڈاکٹر عبد الباسط بلوچ (ڈائریکٹر آغازِ سحر)
- حافظ عبد الرب سلفی (ڈائریکٹر المحسنین یوتھ سکواڈ، پاکستان)
- سید شہباز شاہ (ناظم الحمد ویلفیئر فاؤنڈیشن)

ان کے بعد دیگر کئی نمایاں فضلاء نے بھی اظہارِ خیال کیا۔ پروگرام کا مرکزی حصہ تین اہم قراردادوں پر مشتمل تھا، جو آئندہ مستقبل میں جامعہ و فضلاء کے باہمی تعاون کا خاکہ پیش کرتا ہے:

قرارداد نمبر ۱: رحمانیین رفاہی تنظیموں کے مابین رابطہ

تمام تنظیموں کو معاونت و اشتراکِ عمل کی بنیاد پر ایک دوسرے سے مربوط کرنے کی تجویز پیش کی گئی اور اس بات پر زور دیا گیا کہ سماجی و خدمت خلق کے کاموں میں تمام رحمانیین اور فضلاء تنظیموں کے درمیان مقابلے کی بجائے باہمی تعاون کا تعلق ہونا چاہیے۔ یہ قرارداد ڈاکٹر عبد الباسط بلوچ حفظہ اللہ نے پیش کی۔

قرارداد نمبر ۲: رحمانیین ٹیچر ریلیف فنڈ کا قیام

شیخ زبیر عقیل حفظہ اللہ نے یہ قرارداد پیش کی اور فرمایا کہ تکریم رحمانیین پروگرام میں جمع ہونے کے مقاصد میں ایک بڑا ہدف اولاً کبار اساتذہ رحمانیہ، پھر تمام اہل حدیث مدارس کے سینئر اساتذہ کرام کی تکریم و ریلیف کے لیے خدمت پیش کرنا ہے اور فضلاء جامعہ رحمانیہ کو اس مقصد کے لیے کھڑا کرنا ہے۔

پروگرام کے بعد انتظامیہ جامعہ کی طرف سے ۲۰۰۰۰۰ روپے کی ابتدائی رقم سے یہ فنڈ فوری قائم کر دیا گیا

ہے اور درج ذیل فضلاء نے سالانہ ۲۰۰۰ روپے یا ماہانہ ۱۰۰۰ روپے دینے کے عزم کا اظہار کیا ہے:

الشیخ زبیر عقیل	ڈاکٹر حافظ انس نضر	ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی
قاری خالد فاروق	پروفیسر عبدالرحیم تونسوی	سید شہباز شاہ
ڈاکٹر شفیق الرحمن زاہد	حافظ نعیم الرحمن ناصف	قاری ظہیر ادریس
پروفیسر علی اکبر	محمد عرفان حافی	حافظ محمد چاند وغیرہ

یہ سلسلہ خیر ابھی جاری ہے۔ اس کام کو مستحکم کرنے کی ترتیب یوں لگائی گئی ہے کہ آغاز 'خدمتِ انسانیت فورم' کے ۵۳ رافراد سے کریں کہ سب اپنی تنخواہ کا سالانہ ایک فیصد یا سالانہ ۲۰۰۰ روپے مخصوص فرمائیں گے۔ دوسرا مرحلہ ۱۹۸۰ تا ۲۰۲۵ کے فضلاء نمائندگان کلاسز کی ذہن سازی کا ہوگا۔ انہیں بھی ۱۰۰۰ یا ۵۰۰ روپے ماہانہ اس فنڈ میں شامل کرنے کی دعوت دی جائے۔ تیسرے مرحلہ پر فضلاء جامعہ کے سابقہ ۴۶ بیچز کے واٹس ایپ گروپس میں امراء کلاسز کے ذریعے ۲۰۰۰ سے زائد فضلاء جامعہ کو اس کار خیر پر آمادہ کیا جائے گا۔

جامعہ کے مرحوم اساتذہ کرام کی فیملیز کی کفالت کے لیے 'رحمانیین ٹیچر ریلیف فنڈ' قائم کر دیا گیا ہے جس کی ذمہ داری شیخ زبیر عقیل حفظہ اللہ کے سپرد ہوئی، جبکہ مرحوم اساتذہ کے بچوں کی میٹرک تک کی تعلیم اور کفالت کے اخراجات کی ذمہ داری پروفیسر علی اکبر حفظہ اللہ ڈائریکٹر 'وزڈم ہوپ فاؤنڈیشن لاہور' نے اپنے ذمے لی۔

قرارداد نمبر ۳: اساتذہ و مشائخ کرام کے لیے پلاٹس کی تقسیم

ڈاکٹر حافظ انس نضر مدنی حفظہ اللہ نے اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے جامعہ رحمانیہ کی برانچ مرکز النور لاہور کی طرف سے ان مشائخ کے لیے پانچ مرلے کے پلاٹس مختص کرنے کے لیے اپنے عزم اور جدوجہد کا خصوصی اظہار کیا جنہوں نے ادارے میں طویل عرصہ خدمات سرانجام دی ہیں یا اب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان مبارک سوچوں کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین

وعظ و نصائح

پروگرام میں قدیم ابناء الجامعہ میں سے دو جلیل القدر مشائخ الشیخ قاری عبدالحلیم بلال حفظہ اللہ (ریاض، سعودی عرب) اور مولانا شیخ محمد ادریس مدنی حفظہ اللہ (یوکے) نے آن لائن شرکت کی اور بہت قیمتی نصائح ارشاد فرمائے۔ اسی طرح الشیخ قاری صہیب احمد میر محمدی حفظہ اللہ نے اللہ کی رضا، اخلاص، مخلوق سے بے نیازی اور خدمت انسانیت کے سلسلہ میں باوقار رویوں کے موضوع پر ایمان افروز گفتگو فرمائی۔ بعد ازاں ڈاکٹر نصیر احمد اختر صاحب نے اختتامی گفتگو فرمائی۔ اس موقعہ پر شرکائے مجلس کے لیے بہترین ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔

④ تقریب تکمیل القراءات العشر الصغیر والکبیر والقراءات العشرَین المغربیۃ

قرآن کریم امت مسلمہ کے لیے رہنمائی، تزکیہ نفوس اور علمی و روحانی روشنی کا سرچشمہ ہے۔ اس کی تلاوت، حفظ اور علوم قرآنیہ کی تعلیم میں بے شمار برکتیں مضمر ہیں۔ عصر حاضر میں تکنیکی وسائل نے دنیا کو نہایت قریب کر دیا ہے اور قرآن کی خدمت کے مواقع کو عالمی سطح پر قابل رسائی بنادیا ہے۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ کے شعبہ کلیۃ القرآن الکریم والعلوم الاسلامیہ کے پرنسپل ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی ﷾ کے مغرب (براعظم افریقہ) میں رائج متواتر قراءات کے آخری سلسلے القراءات العشرَین المغربیۃ کی تکمیل کے مبارک موقع پر ۱۲/ اکتوبر ۲۰۲۵ء بروز اتوار بعد نماز عشاء رات آٹھ بجے تا بارہ بجے اس عظیم الشان عالمی آن لائن پروگرام کا انعقاد کیا گیا، جس میں عالم اسلام کے متعدد کبار مشائخ قراءات نے شرکت فرمائی۔

اس پروگرام میں کلیۃ القرآن آنلائن کے زیر اہتمام مغاربہ کے ہاں رائج متواتر قراءات کی تکمیل کے تین الگ الگ سیشنز کا بھی اہتمام کیا گیا۔ تقریب کا آغاز قاری احمد ہاشمی مدرس ادارہ ہذا کی تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔

ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی ﷾ عصر حاضر میں فنِ قراءات کے ان نابغہ روزگار ماہر قراء میں سے ہیں جنہیں قدرت نے گویا اس عظیم امانت کی حفاظت اور خدمت کے لیے چن لیا ہے۔ اندرونِ ملک اکابر مشائخ سے اجازات و اسناد کا وافر حصہ اور بیرونِ ملک جلیل القدر مشائخ قراء کرام سے استفادہ و اتصال نے آپ کی علمی شخصیت کو ایک ایسا وقار عطا کیا ہے جو کم ہی کسی کے حصے میں آیا ہے۔ علومِ قراءات کے دقیق پہلوؤں میں مہارت، اسانید و اجازات علمیہ کی وسعت اور متون فنونِ تجوید و قراءات پر عمیق نگاہ نے آپ کو اس بحر بیکراں کا گوہر نایاب بنادیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے برصغیر پاک وہند میں وہ قراءات متواترہ بھی متعارف کروائیں جن کے نام تک سے پاکستانی قراء ناواقف تھے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے جہابذۂ قراء کرام سے علمی روابط قائم کر کے دن رات اس فنِ عظیم کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔

یہ بلاشبہ بڑے حوصلے اور عظیم ہمت رکھنے والوں کا کام ہے اور آج آپ کا شمار ان چند اہلِ علم قراء میں ہوتا ہے جن کی علمی وجاہت اور عملی خدمات پاکستان ہی نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام میں فنِ قراءت کی آبرو اور شان سمجھی جاتی ہیں۔ شیخ محترم نے طویل عرصہ عالم اسلام شرق و غرب کے تقریباً ۵۰ کبار قراء کرام سے علمی تلمذ اختیار فرمایا اور ان سے کسب فیض حاصل کرتے ہوئے قراءات عشرہ صغریٰ، قراءات عشرہ کبریٰ، قراءات عشرہ صغیر (عشرہ نافعیہ)، قراءات عشرہ کبیر، قراءات اربعہ شاذہ اور متون تجوید و قراءات، رسم وضبط میں اجازات حاصل فرمائے۔ کثّر اللہ أمثالہ

۱. سماع الدرس الأخير للقراءات العشرين المغربية

پروگرام کے آغاز میں الشیخ ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی ﷾ نے قراءات عشرین میں ختمِ قرآن کے آخری سبق کی تلاوت براعظم افریقہ کے شیخ القراء والقراءات فضیلۃ الشیخ المسند مبارک ضاحی الکرکوری ﷾ پر پیش کی۔ شیخ کرکوری ﷾ نے تکمیل قرآن کی دعا فرمائی اور علمِ قراءات کے تاریخی مراحل، مغرب و مشرق کے سندی روابط اور تلاوت میں ضبطِ اصول کی ضرورت پر مدلل گفتگو فرمائی۔

۲. سماع الدرس الأخير للقراءات العشر الكبير المغربية

شیخ محمد شریف السحابی ﷾، شیخ القراء بالمغرب الاسلامی (مراکش) نے تکمیل قراءات عشرہ کبیر کے آخری سبق کی سماعت فرمائی۔ شیخ سحابی ﷾ کا شمار شیخ مبارک الکرکوری ﷾ کے بعد براعظم افریقہ کے بڑے مسند قراء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے تلاوت کی تصحیح کے ساتھ ساتھ سندی تسلسل، مغربی ضبط و تحقیق کے مناہج اور مغاربہ کے ہاں رائج متواتر قراءات کے تین مختلف ڈسپلنز کا تعارف اور ان کے علمی امتیازات پر عالمانہ روشنی ڈالی۔

اساتذہ کلیہ میں سے قاری شہریار الحسن صدیقی اور قاری عثمان اکرم نے آخری سبق سنانے کی سعادت حاصل کی اور شیوخات میں سے قاریہ عبیر غرشین، قاریہ عبیرہ نواز اور قاریہ فاطمہ نواز نے تلاوت پیش کی۔

۳. سماع الدرس الأخير للقراءات العشر الصغير النافعية

قراءات عشرہ صغیر نافعیہ کے آخری درس کی سماعت عظیم ماہر فن فضیلۃ الشیخ عمر بن احمد المزوکی ﷾ نے فرمائی، جو مغرب اسلامی میں قراءات عشرہ صغیر، قراءات عشرہ کبیر اور القراءات العشرین کے جلیل القدر استاذ ہیں۔ تلاوت کا معیار، ضبطِ روایات اور اصولِ اداء کی باریکیاں ان کے سامنے پیش کی گئیں۔ قراءات عشرہ صغیر کا آخری سبق سنانے والی قاریات کے نام درج ذیل ہیں:

قاریہ پاکیزہ نور　قاریہ اقرأ عظیم　قاریہ حفصہ ولایت　قاریہ فاطمہ مسعود　قاریہ آمنہ فاروق

قاریہ ایمان سعد　قاریہ سعدیہ نصیر　قاریہ ماہ نور　قاریہ کائنات ظہیر　قاریہ اسیرہ عبدالصمد

شیخ نے حسنِ اداء، التزامِ قواعد اور تواضعِ علمی کی نصیحت فرمائی اور سند کے احترام پر خصوصی گفتگو کی۔

کلیہ کا تعارف

اس بابرکت پروگرام میں کلیۃ القرآن آنلائن کا اردو میں تعارف قاری ظہیر ادریس اور عالمی مہمانوں کے لیے عربی تعارف ڈاکٹر قاری فہد اللہ مراد نے پیش کیا، جس میں انہوں نے کلیہ کے پاکستان اور عالمی سطح پر خدماتِ قراءات پر روشنی ڈالی۔

علمی خطابات

خطاب الشیخ محمد شریف السنحابی المغربی حفظہ اللہ

شیخ نے القراءات العشر النافعیہ کے تعارف اور حجیت کے حوالے سے غیر معمولی علمی گفتگو فرمائی اور مغربِ اسلامی اور عالم مشرق کی قراءاتی روایت کے تعلقات کو اجاگر کیا۔

خطاب فضیلۃ الشیخ عبد الحق الحدادی مراکشی حفظہ اللہ

شیخ نے القراءات العشر الکبیر اور خصوصاً القراءات العشرین کے فروق و امتیازات بیان کیے۔ یہ خطاب علمی تحقیق اور قراءت کے اصولی مطالعے کے لحاظ سے نمایاں تھا۔

خطاب ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی حفظہ اللہ

شیخ محترم نے مغاربہ کے ہاں رائج قراءتِ عشرہ نافعیہ کی حجیت پر اردو زبان میں علمی خطاب فرمایا۔ یہ خطاب مختصر مگر علمی نکات سے بھرپور تھا اور شرکاء کو قرآنی بصیرت فراہم کرنے والا تھا۔

مذکورہ مشائخ کے علاوہ اس پروگرام میں درج ذیل عالمی مشائخ کرام نے بھی خصوصی شرکت فرمائی:

- ڈاکٹر حامد اکرم بخاری حفظہ اللہ (مدینہ منورہ) نے عشرہ نافعیہ کے علمی پس منظر و تعارف پر گفتگو فرمائی۔
- شیخ عمرو عبد اللہ الحلوانی حفظہ اللہ (مصر) نے طرق عشرہ نافعیہ کی حجیت اور اصولی قواعد کی وضاحت کی۔
- ڈاکٹر محمد علی علی عطفائی حفظہ اللہ (مراکش) نے علم رسم اور ضبط و شکل کے علمی مناہج پر مدلل گفتگو کی۔
- ڈاکٹر علی بن سعد الغامدی حفظہ اللہ (مکہ مکرمہ) نے مغاربہ کی سندی روایت اور تعارف پر روشنی ڈالی۔
- ڈاکٹر ابو بکر الکافی حفظہ اللہ (الجزائر) نے قراءاتِ عشرہ کبیر کی حجیت پر ریکارڈنگ کے ذریعہ خطاب کیا۔
- الشیخ منصور بلحاج حفظہ اللہ (الجزائر) نے مغاربہ کے ہاں رائج متواتر قراءات کے امتیازات کو اجاگر فرمایا۔
- الشیخ قاری صہیب احمد میر محمدی حفظہ اللہ نے آغاز پروگرام میں تمام معزز مہمانوں کے سامنے استقبالیہ کلمات ارشاد فرمائے اور تحریک کلیۃ القرآن کے عالمی مشن اور پیغام کو عربی زبان میں پیش فرمایا۔

④ کلیۃ القرآن الکریم للبنات کی سالانہ قرآن کانفرنس اور کانووکیشن ۲۰۲۵

انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی خاندان ہے اور خاندان کی بنیاد عورت ہے۔ عورت وہ ذات ہے جو نسل کی فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت کی ذمہ دار ہے۔ اس لیے خواتین کی دینی تعلیم محض سماجی ضرورت نہیں، بلکہ نسل انسانی اور معاشرے کی حفاظت کی ضمانت ہے۔ ایک جاہل عورت بچوں کی جسمانی نگہداشت تو کر سکتی ہے، لیکن انہیں ایمان اور اخلاق کی روشنی نہیں دے سکتی، جبکہ ایک علم یافتہ ماں اپنی اولاد کو دین، اخلاق اور قرآن

کی تعلیم سے آراستہ کرتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر: ٩]

"کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟"

اسی وجہ سے اسلام نے عورت پر مرد کی طرح علم حاصل کرنا فرض قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ [الأحزاب: ٣٤]

"اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو"

نبی کریم ﷺ نے بھی خواتین کی تعلیم کا خصوصی انتظام فرمایا تھا[1]۔

موجودہ دور میں خواتین کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جامعہ لاہور الاسلامیہ کے شعبہ کلیۃ القرآن الکریم نے خواتین کے لیے سنہ ۲۰۱۸ میں ایک مخصوص ڈیپارٹمنٹ قائم کیا، جہاں طالبات کو کبار مشائخ اور اساتذہ کرام کی نگرانی میں قرآن وحدیث، تجوید و قراءات، عقیدہ وفقہ اور اسلامی تاریخ وتربیت کے کورسز فراہم کیے جاتے ہیں۔ زیبنی ادارے میں طالبات کے لیے بہترین کلاس رومز، لائبریری، علمی وسائل اور تربیتی ورکشاپس کا انتظام موجود ہے، تاکہ طالبات نظریاتی اور عملی دونوں طرح کے علوم سے مکمل طور پر مستفید ہو سکیں۔ کردار سازی، روحانی تربیت، عملی اسلامی زندگی کے اسباق کے علاوہ طالبات کے لیے عصری تعلیم میٹرک تا بی اے کی لازمی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ادارے نے اپنی تعلیمی خدمات کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے آن لائن پلیٹ فارم پر بھی منتقل کیا ہے تاکہ دور دراز علاقوں کی طالبات بھی گھر بیٹھے معیاری دینی تعلیم حاصل کر سکیں۔ آن سائٹ اور آن لائن کے دونوں سیٹ اپ مل کر ایک جامع، مؤثر اور محفوظ تعلیمی ماڈل پیش کرتے ہیں۔ ہر سال سیکڑوں طالبات قرآن وحدیث کے مختلف شعبوں میں تعلیم مکمل کر کے مدارس، اداروں، معاشروں اور گھروں میں روشنی اور خیر کی کرن بنتی ہیں۔ الحمد للہ اس سال کلیۃ القرآن الکریم للبنات آن لائن سیٹ اپ سے ۱۶۰۰ سے زائد طالبات فن تجوید و قراءات کے مختلف کورسز سے فارغ ہوئی ہیں۔ الحمد للہ

۸ر نومبر بروز ہفتہ آنلائن قرآن کانفرنس اینڈ کانووکیشن ۲۰۲۵ء کا انعقاد ہوا۔ یہ پروگرام ان طالبات کی علمی کامیابی کے اعتراف میں ترتیب دیا گیا جنہوں نے اسی جامعہ سے مختلف قرآنی وشرعی شعبوں میں اپنی تعلیم

---

۱ صحیح بخاری: ۱۰۱

مکمل کی، جن میں تجوید، قراءات، علوم القرآن رسم وضبط اور وقف وفواصل، حفظ قرآن وحدیث، عربیک لرننگ اور متعدد تربیتی کورسز شامل ہیں۔ ان طالبات کی مجموعی تعداد ۱۶۰۰ سے متجاوز ہے جنہیں اس موقع پر اسناد اور سرٹیفکیٹس سے نوازا گیا۔ تقریب میں خواتین کی بڑی تعداد شریک ہوئی جس میں طالبات، ان کی معلمات، شعبۂ تعلیم سے تعلق رکھنے والی مہمان خواتین اور مختلف اداروں کی نمائندگان شامل تھیں۔ شریک مہمانوں نے کلیہ کے تدریسی نظم وضبط، علمی معیار، تربیتی ماحول اور آن سائٹ کے ساتھ ساتھ آن لائن نظامِ تعلیم کا مکمل جائزہ لیا اور اسے نہایت مفید اور مؤثر قرار دیا۔

یہ اجتماع خواتین میں دینی شعور، قرآنی تعلیمات کی طرف رغبت اور فن تجوید وقراءات کی علمی اہمیت کو اجاگر کرنے کے مقصد کے تحت منعقد کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس کے ذریعے یہ بات واضح ہوئی کہ خواتین کے لیے اعلیٰ دینی تعلیم کا حصول نہ صرف ممکن ہے بلکہ عصر حاضر میں ناگزیر ضرورت بھی ہے اور کلیۃ القرآن الکریم للبنات اس ضرورت کو باقاعدہ تنظیم اور مناسب معیار کے ساتھ پورا کر رہا ہے۔

ذیل میں اس آنلائن کانفرنس اور کانووکیشن کی تفصیلی روداد پیش کی جاتی ہے:

تلاوت قرآن کریم وخطبہ استقبالیہ

پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا، جس کی سعادت مراکش کے مشہور خوش الحان قاری الشیخ الیاس حجری حفظہ اللہ نے حاصل کی۔

قاری داود منشاوی حفظہ اللہ نے قرآن اور اہل قرآن کی فضیلت پر بہترین منظوم کلام پیش کیا۔

خطبہ استقبالیہ کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ ہذا کے پرنسپل ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی حفظہ اللہ نے پیش کیا، جس میں انہوں نے دینی تعلیم کی اہمیت، طالبات کی تربیت میں علمی اداروں کے کردار اور کلیہ کے مشن پر روشنی ڈالی۔

خواتین قاریات کی محفل تجوید وقراءات

پروگرام میں درج ذیل آٹھ قاریات نے حدر میں تلاوات پیش کیں، جن میں مختلف روایات کی تلاوت کے ذریعے سامعات کو قراءات کے علمی اور عملی پہلوؤں سے روشناس کرایا:

① قاریہ نائلہ امین نے سورۃ الحشر (۱۸-۲۴) تلاوت کی۔ ان کی تلاوت روایت حفص عن عاصم کے طریق کتاب التجرید، سکتہ مطلق اور توسط منفصل پر مشتمل تھی۔

② قاریہ زینب حامد نے روایت حفص عن عاصم طریق الشاطبیہ میں سورۃ فاطر (۲۷-۳۵) تلاوت کی۔

③ قاریہ فاطمہ نواز نے قراءۃ ابی جعفر مدنی من طریق الطیبہ میں سورۃ الانبیاء (۹۳-۱۱۱) تلاوت کی۔
④ قاریہ عاصمہ رفیق نے روایت خلف عن حمزہ طریق الشاطبیہ میں سورۃ النجم (۱-۲۵) تلاوت کی۔
⑤ قاریہ سعدیہ اللہ دتہ نے سورۃ فاطر (۲۹-۳۵) تلاوت کی۔ ان کی تلاوت روایت ادریس عن خلف العاشر من طریقي الدرة والطيبة، سکتہ مطلق پر مشتمل تھی۔
⑥ قاریہ عبیر غرشین نے روایت خلف عن حمزہ من طریق کتاب الکامل للہذلی میں سکتہ عام اور امالہ تائے تانیث کے ساتھ سورۃ النازعات مکمل تلاوت کی۔
⑦ قاریہ روحہ مریم نے سورۃ ابراہیم (۲۷-۴۳) روایت ورش عن نافع میں بطریق شاطبیہ تلاوت کی۔
⑧ قاریہ مریم ربانی نے روایت سوسی عن ابی عمرو میں سورۃ یوسف (۱۰۵-۱۱۱) تلاوت کی۔

علمی خطابات اور تربیتی نشستیں

- شیخ القراء ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی حفظہ اللہ نے تجوید قراءات کے خوب صورت عنوان پر گفتگو فرمائی۔
- الشیخ قاری صہیب احمد میر محمدی حفظہ اللہ نے تعارف قرات کے موضوع پر علمی خطاب فرمایا۔
- باجی عائشہ مدنی حفظہا اللہ (مدیرہ کلیۃ القرآن الکریم للبنات) نے کہا کہ تعلیم قرآنی صرف نصاب کی تکمیل نہیں بلکہ کردار سازی اور عملی زندگی میں قرآنی اصولوں کے اطلاق کا ذریعہ ہے۔
- آپا جی رضیہ مدنی حفظہا اللہ نے فرمایا کہ طالبات کو علم کے ساتھ ساتھ اخلاق اور عمل پر بھی توجہ دینی چاہیے۔

ان کے علاوہ تین کبار مشائخ گرامی الشیخ ڈاکٹر عبد القیوم سندھی (استاذ القراءات حرم مکی)، الشیخ المقری محمد صدیق السانسرودی (شیخ القراء بالہند) اور شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی حفظہ اللہ نے بھی پروگرام میں نہایت علمی خطابات ارشاد فرمائے، جن کا خلاصہ مضمون کے آخر میں پیش کیا جارہا ہے۔

رزلٹ اور تقسیم اسناد

پروگرام کے دوران طالبات میں ۱۶۰۰ سے زائد سرٹیفکیٹس تقسیم کیے گئے، جن میں مختلف کورسز میں کامیابی حاصل کرنے والی طالبات شامل تھیں۔ کلیہ کے تمام ڈیپارٹمنٹس میں بہترین کارکردگی دکھانے والی طالبات کو شہادات کے علاوہ انعام واکرام سے بھی نوازا گیا۔

امسال آنلائن کلیہ کے تحت کروائے جانے والے کورسز اور ان سے مستفید ہونے والی طالبات کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ تقریب میں کل سرٹیفکیٹس ۱۶۲۳ تقسیم کیے گئے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ المقدمہ الجزریہ کورس از الشیخ ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی	۵۲ سرٹیفکیٹس
۲۔ قراءات اربعہ متداولہ کورس (جولائی تا دسمبر)	۸ سرٹیفکیٹس
۳۔ ایک سالہ ترتیل القرآن لیول ۳	۲۱ سرٹیفکیٹس
۴۔ ۶ ماہی تجوید القرآن لیول ۲ (بیچ ۴)	۱۳ سرٹیفکیٹس
۵۔ ۶ ماہی تجوید القرآن لیول ۱ (بیچ ۷)	۲۷ سرٹیفکیٹس
۶۔ تجوید القرآن لیول ۱ بیچ ۶ (جولائی تا دسمبر)	۲۳ سرٹیفکیٹس
۷۔ دو سالہ قراءات عشرہ صغری کورس (مرد حضرات)	۹ سرٹیفکیٹس
۸۔ دو ماہی قرآنی سورتوں کا نظم جلی کورس	۴۶ سرٹیفکیٹس
۹۔ ۳ ماہی علم الوقف والابتداء اسپیشل کورس	۸۸ سرٹیفکیٹس
۱۰۔ اسپیشل لیول ۲ کورس سیشن ۲۰۲۴	۵۲ سرٹیفکیٹس
۱۱۔ ایک سالہ دقایق تجویدیہ لیول ۵ (دو بیچز)	۴۶ سرٹیفکیٹس
۱۲۔ ایک سالہ دقایق تجویدیہ لیول ۴ (بیچ ۱)	۱۰ سرٹیفکیٹس
۱۳۔ دورہ روایت حفص عن عاصم	۲۱ سرٹیفکیٹس
۱۴۔ دورہ تحفۃ الاطفال	۱۰ سرٹیفکیٹس
۱۵۔ دورہ قصیدہ خاقانیہ	۳۹ سرٹیفکیٹس
۱۶۔ دورہ قصیدہ سخاویہ	۲۴ سرٹیفکیٹس
۱۷۔ روایت شعبہ (مکمل قرآن کریم)	۱۱ سرٹیفکیٹس
۱۸۔ دورہ فوائد مکیہ از الشیخ ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی	۲۱۸ سرٹیفکیٹس
۱۹۔ ۶ ماہی تجوید لیول ۶	۵۲ سرٹیفکیٹس
۲۰۔ اسپیشل دورہ برائے فن نمبر	۱۱۴ سرٹیفکیٹس
۲۱۔ ۶ ماہی تجوید لیول ۲ (بیچ ۵)	۲۷ سرٹیفکیٹس
۲۲۔ حفظ کتاب اربعین النووی	۱۲ سرٹیفکیٹس
۲۳۔ دورہ فوائد مکیہ از الشیخ قاری شہریار الحسن	۲۲ سرٹیفکیٹس
۲۴۔ ۶ ماہی علوم القرآن کورس	۵ سرٹیفکیٹس

۲۵۔دوسالہ قراءات عشرہ کبری (بیچ ۴)	۱۲سرٹیفکیٹس
۲۶۔دوسالہ قراءات عشرہ کبری (بیچ ۵)	۳سرٹیفکیٹس
۲۷۔دوسالہ قراءات عشرہ صغری (بیچ ۶)	۱۴سرٹیفکیٹس
۲۸۔دوسالہ قراءات عشرہ صغری (بیچ ۷)	۸سرٹیفکیٹس
۲۹۔تربیتی کورس: جنت کا راستہ	۷سرٹیفکیٹس
۳۰۔تفسیر القرآن کورس	۲۴سرٹیفکیٹس
۳۱۔قراءات عشرہ نافعیہ (بیچ ۲)	۲۰سرٹیفکیٹس
۳۲۔اجازات امام حفص عن عاصم از الشیخ قاری حمزہ مدنی	۷سرٹیفکیٹس
۳۳۔دورہ روایت حفص عن عاصم من طریق طیبۃ النشر	۲۱سرٹیفکیٹس
۳۴۔ختم عاصم من جمیع طرق الطیبہ (کل ۵۲ طرق میں)	۵سرٹیفکیٹس
۳۵۔ایک سالہ دقائق تجویدیہ لیول ۵ (بیچ ۳)	۲۷سرٹیفکیٹس
۳۶۔ایک سالہ دقائق تجویدیہ لیول ۵ (بیچ ۲)	۶سرٹیفکیٹس
۳۷۔ایک سالہ دقائق تجویدیہ لیول ۴ (بیچ ۲)	۲۱سرٹیفکیٹس
۳۸۔دورہ روایت قالون عن نافع	۹سرٹیفکیٹس
۳۹۔القراءات العشر الصغیر (جمع وارداف مع الشیخ عمر المزوکی)	۵سرٹیفکیٹس
۴۰۔القراءات العشر الکبیر (جمع وارداف مع الشیخ عمر المزوکی)	۶سرٹیفکیٹس
۴۱۔القراءات العشر الکبریٰ اجازہ تنزیلہ شفیق مع الشیخ قاری شہریار	۱سرٹیفکیٹ
۴۲۔القراءات العشر الصغری اجازہ شائستہ رحمان مع الشیخ قاری محمد فیاض	۱سرٹیفکیٹ
۴۳۔دورہ القراءات العشر الصغریٰ برائے اساتذہ کی تیاری	۴سرٹیفکیٹس
۴۴۔حسن کارکردگی سرٹیفکیٹس برائے اساتذہ کرام	۱۵سرٹیفکیٹس
۴۵۔اعزازی سرٹیفکیٹس برائے انتظامی سٹاف کلیہ	۶سرٹیفکیٹس
۴۶۔سورۃ النجم فی روایۃ خلف عن حمزہ (شارٹ کورس)	۷۵سرٹیفکیٹس
۴۷۔سورۃ الرحمن فی روایۃ ورش عن نافع (شارٹ کورس)	۶۲سرٹیفکیٹس
۴۸۔تحفیظ قصار السور فی روایۃ ورش عن نافع (شارٹ کورس)	۱۶سرٹیفکیٹس

۴۹۔ دورۂ قراءۃ امام کسائی (مکمل قرآن)	۱۴ سرٹیفکیٹس
۵۰۔ دورہ تکبیرات امام احمد بزی (عشرہ ذی الحج میں)	۵۶ سرٹیفکیٹس
۵۱۔ دورۃ القراءات للقصرین فی المنفصل بچ ا (مکمل قرآن)	۱۲ سرٹیفکیٹس
۵۲۔ حفظ تیسواں پارہ روایت سوسی میں	۱۳ سرٹیفکیٹس

شیخ القراء قاری محمد صدیق السانسرودی الفلاحی حفظہ اللہ (انڈیا) کا خطاب

حمد وصلاۃ کے بعد!

تکمیلِ قراءاتِ مختلفہ متواترہ کی اس پاکیزہ اور روح پرور محفل میں نامور علماء، فنی عباقرہ، قراءت کے ماہر اساتذہ اور خوش نصیب طالبات کی بڑی تعداد کی موجودگی حقیقتاً باعثِ مسرت ہے۔ آج ۱۶۰۰ سے زائد طالبات کا اسنادِ فراغت اور کئی طالبات کا اسنادِ اجازہ حاصل کرنا اللہ کی عظیم رحمت اور اس شریف فن کی بقا کی واضح نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے اپنے دین کی حفاظت ایسے ہی باہمت طبقے کے ذریعے فرماتا ہے۔

اسلامی علوم کی حفاظت میں خواتین کی قربانیاں تاریخ کا روشن باب ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کے ۴۳ جلدوں پر مشتمل الوفاء بأسماء النساء میں نو ہزار محدثات کا تذکرہ اس پر گواہ ہے۔ اسی طرح تاریخ قراءت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہمارے اکابر مثلاً حضرت قاری عبد المالک ؒ کی آواز، اداء اور فاطمہ نامی مصری نابینا قاریہ کے انداز کی نقل تک سلف کی فنی محنت کا حصہ تھی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے جلیل القدر عالم کا ان سے فاطمہ کے انداز میں تلاوت کی فرمائش کرنا اس فن کی عظمت اور ہمارے اسلاف کے ذوق پر دلیل ہے۔

آج بھی یہی حقیقت قائم ہے کہ قراءتِ متواترہ کے مشکل مسائل کو سمجھنے اور جمع حرفی کے طریقے کی تحقیق بھی بالآخر ایک خاتون عالمہ ہند شلبی کی کتاب سے آسان ہوئی۔ اسی طرح نئی فنی تحقیقات مثلاً 'ائمۂ قراء سے امالہ کے اسباب' پر مشتمل علمی کام بھی ایمان بنتِ صبحی ادلبی جیسی خواتین کے زیرِ نگرانی ہوا۔ یہ دلیل ہے کہ طالباتِ قراءت اللہ کے فضل سے بڑے سے بڑا علمی وفنی کارنامہ انجام دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں۔

اختتام پر میں معلمات، طالبات اور ان کے اولیاء کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ قرآن و قراءت کی ایسی تاریخی تعداد میں تکمیل ہو رہی ہے جو امتِ مسلمہ کا مستقبل سنوارنے کا ذریعہ بنے گی۔ ہمارے عزیز بھائی، عاشقِ فنِ قراءت، شب و روز اس کی اشاعت میں مصروف الشیخ ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ آپ کی غیر معمولی محنت پر دل سے دعا اور عقیدت پیش کرتا ہوں۔ آپ نے اس بابرکت محفل میں مجھ ناقص کو یاد فرمایا، یہ آپ کا عظیم احسان ہے، جس پر ہر تشکر کم ہے۔ تمام شرکاء سے درخواست ہے کہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

شیخ القراء ڈاکٹر قاری عبد القیوم السندی ﷾ (مکہ مکرمہ) کا خطاب

حمد و صلاۃ کے بعد!

سب سے پہلے میں جامعہ لاہور الاسلامیہ کے مؤسس گرامی قدر جناب فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی ﷾ اور کلیۃ القرآن الکریم کے ڈین جناب ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی وفقہ اللہ اور ان کی پوری ٹیم کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کلیۃ القرآن الکریم آنلائن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے اس عظیم الشان قرآن کنونشن اور تقریب تقسیم اسناد و اجازات کے پر مسرت اور مبارک موقعہ پر بندہ کو یاد فرمایا اور شرکت کی دعوت دی۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ کے کلیۃ القرآن کا طالبات کے لیے علوم القرآن والقراءات کے متعدد تخصصات کا میدان کھولنے میں ایک اہم کردار ہے۔ مختلف کورسز کی تمام خریجات کو تہہ دل سے مبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتے ہوئے مجھے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ میں آپ سب، آپ کے والدین اور تمام اہل خانہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو روشن مستقبل نصیب فرمائے۔

کالج انتظامیہ کی طرف سے کتاب اللہ کے ان بابرکت علوم کے ساتھ نمایاں لگن سے میں بہت متاثر ہوا ہوں جس میں قراءات عشر صغریٰ، عشرہ کبریٰ، عشرہ نافعیہ اور مختلف روایات، علم تجوید (متعدد متون اور منظومات کی روشنی میں) علم الوقف والابتداء وغیرہ ہیں۔ یہ ایسا اقدام ہے، جو نہ صرف پاکستان بلکہ پورے برصغیر میں بے مثال ہے۔ اس مناسبت سے میں جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) کو اگر پاکستان کا جامعہ ازہر کہوں تو مبالغہ نہیں۔

میری بیٹیو! آپ لوگ مستقبل کے رجالات ہیں، آپ جیسی اہل قرآن سے بہت امیدیں وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم مقصد، عظیم فضیلت اور نفع بخش تجارت کے لیے چنا ہے۔

میں اس مناسبت سے کلیہ کے ڈین گرامی قدر جناب ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی ﷾ کے اصرار پر اردو میں چند گذارشات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، امید ہے کہ آپ سب ان سے مستفید ہوں گی۔

① خوفِ خدا اور تقویٰ: عقیدہ، علم اور عمل میں کتاب و سنت پر قائم اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں۔

② اخلاص: اخلاص ہی عمل کو مقبول اور اثر انگیز بناتا ہے۔

③ علم پر عمل: امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے تھے: مَا كَتَبْتُ حَدِيْثاً إِلاَّ وَقَدْ عَمِلتُ بِهِ [1] ''میں نے کوئی

---

1 سیر أعلام النبلاء: ۱۱/۲۱۳

حدیث نہیں لکھی مگر اس پر عمل کیا"۔ سلف کا یہی طریقہ تھا کہ وہ علم کو عمل سے زندہ رکھتے تھے۔

④ تزکیۂ باطن: قلب کی اصلاح کریں، کیونکہ دل درست ہو تو پورا جسم درست ہوتا ہے۔ تکبر، ریا، حسد سے بچیں اور تواضع اختیار کریں۔

⑤ وقت کی قدر: وقت ضائع نہ کریں۔ امام عبداللہ بن المبارکؒ سے پوچھا گیا کب تک پڑھتے رہیں گے؟ فرمایا: "موت تک"[1]۔

⑥ عملی نمونہ بننا: امام حسن بصریؒ نے غلام آزاد کرنے کے فضائل پر تب خطاب کیا جب خود غلام آزاد کر لیا، تاکہ قول و فعل میں فرق نہ رہے۔ اساتذہ و استانیوں کو بھی طالبات کے لیے بہترین نمونہ ہونا چاہیے۔

⑦ حسن اخلاق اور دنیا سے بے رغبتی: دنیا کو ہاتھ میں رکھیں دل میں نہیں۔ جو اللہ کے پاس ہے اسی کی طلب کریں۔ حسد، کینہ، شہرت کی خواہش سے بچیں اور لوگوں کے عیبوں کے بجائے اپنی اصلاح کریں۔

⑧ دین پر فخر اور کفار کی مشابہت سے بچاؤ: لباس، گفتگو، چال چلن میں غیر مسلموں کی نقالی سے بچیں۔ مسلمان عورت اپنے دین، اقدار اور اخلاق پر فخر کرے۔

⑨ باہمی تعاون اور رابطہ: نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور فارغ ہونے کے بعد آپس کا تعلق قائم رکھیں۔ موجودہ دور میں اس کی بہت ضرورت ہے۔

⑩ اساتذہ کا حق: اپنے اساتذہ و استانیوں کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھیں، یہ آپ کے روحانی والدین ہیں۔

شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی حفظہ اللہ کا اظہار خیال

آپ سے پہلے کلیۃ القرآن للبنات کی سرپرست اعلیٰ آپا رضیہ مدنی حفظہا اللہ نے اپنی گفتگو میں محبت بھرے انداز میں یہ ذکر کیا کہ قاری محمد ابراہیم میر محمدی حفظہ اللہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے، جب انہیں پاکستان میں آکر تدریس کرنے کی دعوت دی تو وہ سب کچھ چھوڑ کر پاکستان تشریف لے آئے۔ اسی اخلاص و قربانی کا نتیجہ ہے کہ آج یہ ادارہ اس مقام پر کھڑا ہے۔ اس پر شیخ نے عاجزی سے فرمایا کہ وہ اپنے آپ کسی قابل نہیں سمجھتے، مگر اکابرین جامعہ کی خلوص بھری دعائیں ان کے ساتھ رہیں اور دلوں کی صفائی سے ہی اللہ اصلاح فرما دیتا ہے۔

شیخ محترم نے بتایا کہ مدینہ چھوڑنا آسان نہیں تھا، مگر اللہ نے جب دین کی خدمت کے لیے بلایا تو وہ چل پڑے۔ مکہ مکرمہ سے بھی ایک بڑی پیشکش ہوئی کہ جامعہ ام القریٰ کے شعبہ قراءات میں رہ کر تدریس کریں

---

1 جامع بيان العلم وفضله (١/ ٤٠٦):٥٨٦

مگر انہوں نے معذرت کی اور پاکستان آجانے کا فیصلہ کیا۔

دین کا کام ایک ہاتھ سے نہیں چلتا، یہ سب کے تعاون سے آگے بڑھتا ہے۔ یہ ادارہ بھی مشترکہ محنت کا نتیجہ ہے جس میں رئیس الجامعہ ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ، استاد محترم شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث مولانا محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ، شیخ التفسیر مولانا عبدالسلام فتح پوری رحمہ اللہ اور دیگر اساتذہ، طلبہ اور مخلص ساتھیوں کی کوششیں شامل ہیں۔ میں آپ کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ کبھی یہ نہ سمجھنا کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا ہے، اصل کرنے والا اللہ ہے، ہم اس کے خادم ہیں، مالک نہیں۔ اخلاص کی تین نشانیاں ہیں: (۱) تعریف و مذمت دونوں برابر ہوں، (۲) عمل میں خود پسندی نہ ہو، (۳) بدلہ صرف اللہ سے چاہا جائے

اہل قرآن وہ ہیں جو قرآن سے جڑے رہتے ہیں، جس نے قرآن کو تھام لیا اسے دنیا و آخرت کی عزت ملتی ہے، اللہ اس کے دل میں محبت ڈالتا ہے اور اسے آزمائشوں میں صبر عطا کرتا ہے۔

قرآن کی سات منزلیں ہیں جن کا خلاصہ فمي بشوق ہے، طالبات کو چاہیے کہ اس کے مطابق مکمل قرآن کی ایک ہفتہ میں تلاوت کیا کریں۔ یاد رکھیں کہ علم دین اللہ کا نور ہے، جو انسان کو جہالت کے اندھیروں سے نکالتا ہے، آپ سب بیٹیاں اللہ کے نور سے حصہ پا رہی ہیں جنہوں نے تجوید پڑھی، راتوں کو جاگ کر عبادت کی اور مسلسل تعلیم دین میں مشغول رہیں۔ قرآن شفا ہے، اسے پڑھ کر بیماروں کے لیے دعا کیا کریں۔

علم کے ساتھ تزکیہ ضروری ہے، اصل کامیابی اسی میں ہے کہ خلوت اور جلوت دونوں پاکیزہ ہوں۔ علم اخلاق، حیا، نرم روی، پاکیزہ عادات اور گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک میں نظر آنا چاہیے۔ ہر عمل میں اخلاص پیدا کریں، پانچ وقت کی نماز کی پابندی کریں، تلاوتِ قرآن کو روزانہ کا معمول بنائیں کیونکہ قرآن شفا، رحمت اور برکت ہے؛ اس کا ہر حرف نیکی ہے اور یہ دلوں کو سکون و روشنی دیتا ہے۔ قرآن کے بغیر دینی علوم میں برکت نہیں آتی، اسی لیے سلف زیادہ قرآن پڑھتے تھے۔ صبح و شام کے اذکار مومن کی ڈھال ہیں، ذکر دل کو زندہ کرتا ہے اور اللہ کے عذاب سے نجات دیتا ہے۔ بزرگ علماء فرمایا کرتے تھے کہ قرآن زیادہ پڑھو، اس سے حدیث اور دیگر علوم سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

اہل قرآن کی یہ مجلس بہت مبارک ہے، ایسی مجالس پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور خوش نصیب وہ بیٹیاں ہیں جنہیں اللہ نے قرآن کے لیے چن لیا۔ علم نعمت بھی ہے اور امانت بھی، جس کا حق اخلاص، تقویٰ اور تواضع سے ادا ہوتا ہے۔ شیخ محترم نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو دنیا و آخرت میں عزت، برکت، استقامت اور علم نافع عطا فرمائے اور آپ کو قرآن والی زندگی نصیب فرمائے۔

آہ! مولانا فضل الرحیم اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر حافظ ابو عمرو

حال ہی میں عالمِ اسلام اور خصوصاً دینی مدارس کی علمی دنیا ایک نہایت متوازن، باوقار اور للّٰہیت سے معمور شخصیت سے محروم ہوگئی؛ مولانا فضل الرحیم اشرفی، مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کی وفات محض ایک فرد کی جدائی نہیں بل کہ ایک ایسے علمی منہاج، ادارہ جاتی توازن اور دینی وقار کے ایک روشن باب کے بند ہونے کے مترادف ہے جو شور و غوغا سے دور خاموش خدمت پر یقین رکھتا تھا۔

مولانا مرحوم ایک جلیل القدر علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے وہ معروف عالم دین مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے۔ یہ نسبت ان کے لیے محض تعارف کا ذریعہ نہیں تھی بل کہ ایک ذمہ داری اور امانت تھی جسے انھوں نے پوری دیانت اور وقار کے ساتھ نبھایا۔ انھوں نے علمی وراثت کو جمود کا شکار نہیں ہونے دیا اور اسے عصری تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ رکھتے ہوئے آگے بڑھایا۔

ان کی علمی و تدریسی تشکیل مدارسِ دینیہ کی اس روایت میں ہوئی جس میں علم، عمل اور اخلاق ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ تدریس کے میدان میں ان کی شناخت ایک سنجیدہ، متوازن اور مربی استاد کی تھی، وہ محض نصاب پڑھانے کے قائل نہ تھے بل کہ طلبہ کی فکری، اخلاقی اور عملی تشکیل کو مقصد سمجھتے تھے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کے ساتھ ان کی وابستگی محض انتظامی نوعیت کی نہیں تھی؛ انھوں نے بہ طور مہتمم ادارے کی علمی روایت، نظم و ضبط اور مسلکی وقار کو ہر حال میں محفوظ رکھا۔ وہ ادارے کو افراد کے تصادم یا مسلکی کشاکش کا میدان بنانے کے بجائے ایک دعوتی، تعلیمی اور تربیتی مرکز کے طور پر دیکھتے تھے۔

قومی سطح پر بھی ان کی خدمات نمایاں رہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت سمیت مختلف علمی و دینی ذمہ داریوں پر فائز رہے مگر ان تمام مناصب کے باوجود ان کی شخصیت میں نہ تصنع آیا اور نہ نمود و نمایش۔ وہ کم گو، محتاط اور باوقار انداز میں بات کرنے والے عالم تھے، جن کی بات میں سنجیدگی بھی ہوتی تھی اور خیر خواہی بھی۔

مولانا فضل الرحیم اشرفیؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے پُر ہونے والا نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کے تلامذہ اور تمام وابستگان کو صبر جمیل عطا فرمائے؛ آمین۔

کُلیۃُ القرآن الکریم والتربیۃ الاسلامیہ بنگہ بلوچاں پھول نگر

الحاق شدہ

Government College University Lahore

درس نظامی +4 سالہ BS اسلامک سٹڈیز

ریگولر کلاسز برائے طلباء وطالبات

آپ کے بچوں کے روشن مستقبل کے لیے کُلیۃُ القرآن الکریم والتربیۃ الاسلامیہ پھول نگر میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تقاضوں کے مطابق BS اسلامک سٹڈیز کا آغاز بھی کر دیا گیا ہے۔

خصوصیات

- لاہور GCU سے الحاق شدہ چار سالہ ڈگری پروگرام
- نیشنل وانٹرنیشنل یونیورسٹیز سے تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اساتذہ
- درس نظامی اور عصری تعلیم کا حسین امتزاج
- علمی، تربیتی، دعوتی، تحقیقی اور دینی ثقافتی ماحول

شرائط داخلہ

- ایف اے/ایف ایس سی یا کسی بھی وفاق المدارس سے ثانویہ خاصہ +IBCC سے Equivalence کی کاپی
- طالب علم کے شناختی کارڈ (ID Card) کی کاپی
- والد کے شناختی کارڈ (ID Card) کی کاپی
- طالب علم کی چار (4) تصاویر نیلے بیک گراؤنڈ کے ساتھ
- یونین کونسل سے طالب علم کے برتھ سرٹیفکیٹ کی کاپی • ایڈمیشن فارم

رابطہ برائے معلومات

موبائل نمبرز برائے طلباء (Boys)

+923334299443
+923016905556
+923314075626

موبائل نمبر برائے طالبات (Girls)

+923344189515

قاری صُہیب احمد میر محمدی

Director

Quraan College & Islamic Training Institute.
(Bonga Balochan Phool Nagar)

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol.57 No.2

Monthly MUHADDIS Lahore

35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں مخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۲۰۰ روپے
- زرِ سالانہ ۱۲۰۰ روپے

Dedigning: AK 0321-4966404

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700